ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

مارچ ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

March 2020

جذبات کا ہونا انسان کو انسان بناتا ہے اور
جذبات پر قابو ہونا انسان کو اعلیٰ انسان بناتا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ماہنامہ

اِنذار

مارچ 2020ء رجب/شعبان 1441ھ

جلد 8 شمارہ 3

فی شمارہ ـــ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زر تعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

ابو یحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

زندگی کا موبائل

موبائل فون کی ایجاد نے ہماری دنیا کو بہت بدل دیا ہے۔ خاص کر اسمارٹ فون نے کمپیوٹر، ٹی وی، کیمرے، ڈی وی ڈی پلیئر، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ جیسی مشینوں کو بڑی حد تک ہماری زندگی سے نکال دیا ہے۔ موبائل کے اتنے زیادہ استعمال کی بنا پر موبائل کی بیٹری تیزی سے ڈسچارج ہو جاتی ہے۔ مہنگے سے مہنگے موبائل کی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ دن میں ایک دفعہ تو اسے ضروری چارج کیا جائے۔ چنانچہ لوگ ہر صبح اور ہر شام بلا ناغہ یہ کام کرتے ہیں۔

اپنا موبائل فون صبح و شام ری چارج کرتے ہوئے ہم ایک اہم ترین حقیقت کو یاد کر لیا کریں تو شاید ہماری زندگی بدل جائے۔ وہ یہ کہ ری چارجنگ کی جو سہولت موبائل کے لیے دستیاب ہے، وہ ہمارے لیے دستیاب نہیں ہے۔ ہماری زندگی کی بیٹری ہر لمحہ تیزی سے ڈسچارج ہو رہی ہے۔ ہمارے ہاں اوسط عمر ساٹھ ستر برس کے قریب ہوتی ہے۔ اس پہلو سے ہمیں یہ جائزہ لیتے رہنا چاہیے کہ ہماری زندگی کے موبائل کی کتنی بیٹری ختم ہو چکی ہے۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی یاد رہنی چاہیے کہ موبائل کی طرح ہمیں یہ سہولت نہیں ہے کہ ہم اپنا مکمل بیٹری ٹائم ہی پورا کر لیں ۔ یہاں بچوں سے لے کر بوڑھوں تک کسی کو نہیں معلوم کہ کس وقت اس کی زندگی کے موبائل کو موت کا فرشتہ اچانک آ کر آف کر دے۔

امتحان کی اس غیر یقینی دنیا میں ایک ایک لمحہ بہت قیمتی ہے۔ زندگی کے موبائل کا جو لمحہ ملا ہے، اسے خدا کی محبت اور بندگی، بندوں کی خیر خواہی اور خدمت، دین کی حمیت اور نصرت کے کاموں میں لگا دیں۔ کیونکہ یہی کام ہیں جو جنت کی ابدی زندگی کو یقینی بناتے ہیں۔ اُس زندگی کی سب سے بڑی خاصیت یہ ہے کہ وہاں زندگی کا موبائل ابدیت کی بیٹری سے چلے گا۔ وہ بیٹری کبھی ختم ہو گی اور نہ اسے کبھی ری چارج ہی کرنے کی ضرورت پیش آئے گی۔

نفس اور انوسٹمنٹ

قرآن مجید کی سورہ بقرہ کے آخری حصے کا موضوع اللہ کی راہ میں انفاق ہے۔ آیت 265 میں اللہ تعالیٰ نے انفاق پر ابھارتے ہوئے اسے ایک ایسے باغ سے تشبیہ دی ہے جس کا پھل بارش ہو تو دگنا آتا ہے اور بارش نہ ہو تو پھوار ہی اس کی پیداوار کے لیے کافی ہوتی ہے۔

اس تمثیل میں گویا یہ بتایا گیا ہے کہ یہ انوسٹمنٹ پوری ایمانی کیفیات سے کی جائے تو کیا ہی بات ہے، مگر یہ کیفیات کم بھی ہوں تب بھی خسارہ کا سودا نہیں۔ ان ایمانی کیفیات کے لیے آیت میں اللہ کی رضا اور اپنے نفس کو حق پر جمائے رکھنے کی تعبیرات اختیار کی گئی ہیں۔ ان میں سے اللہ کی رضا کا مفہوم تو بالکل واضح ہے لیکن اپنے آپ کو حق پر جمائے رکھنے کی بات قابل وضاحت ہے۔

انسان کا نفس عام طور پر اسے برائی کی راہ سجھاتا ہے۔ جب پیسہ پاس میں ہو تو پھر یہ نفس اس پیسے کو بخل، اسراف، دکھاوا، اظہار شان اور فواحش کی راہ میں استعمال کرنے پر ابھارتا ہے۔ ایسے میں کسی دوسرے انسان کی مدد کا موقع ہو یا نصرت دین کے باب میں خرچ کرنے کا تو انسان ہمیشہ یہ حساب و کتاب کرتا ہے کہ اس پیسہ سے نفس کی تسکین کے لیے ضرورت، خواہش، عیش ولذت کی کتنی چوٹیاں سر کی جاسکتی ہے۔

ایسے میں ایمان پکار کر یہ کہتا ہے کہ اس پیسے کو آخرت کے باغ میں انوسٹ کردو۔ یہ سرمایہ کاری بڑے فائدے کا سودا ہے۔ جس کسی نے اس صدا کو سن لیا اور اپنی لگام اپنے نفس کے ہاتھ میں دینے کے بجائے خود نفس کو اس صحیح بات پر جما دیا، وہی شخص ہے جو آخرت میں اپنی کمائی کو سات سو گنا تک بڑھتے ہوئے دیکھے گا۔ جس نے یہ پکار نہ سنی وہ روز قیامت خالی ہاتھ ہوگا۔ یہ وہ محرومی ہوگی جس کا ازالہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

یہ موقع ختم ہوا چاہتا ہے

انسان کیا چاہتا ہے؟ عیش جاوداں......حیات ابدی......حسن لازوال اور......ختم نہ ہونے والی بادشاہی۔ یہ تو وہی دے گا جس کے پاس یہ سب کچھ ہو یا پھر وہ یہ سب تخلیق کرسکتا ہو۔ ایسا کون ہے؟ ایسا ہمیشہ سے ایک ہی تھا......ایسا ہمیشہ ایک ہی رہے گا......احد احد۔

مگر انسان نے اس احد کے ساتھ کیا کیا ہے۔ ہر دور میں اس کے شریک ٹھہرا کر اسے گالی دی ہے۔ اس کی توہین کی ہے......اور آج جب اس نے عیش و لذت کے ان گنت اسباب اسی دنیا میں عطا کر دیے ہیں تو اسے نہ مان کر شرک سے بڑی گالی اسے دے رہا ہے۔

مانا کہ وہ حلیم ہے......بہت حلیم ہے۔ مگر کب تلک وہ یہ گستاخی برداشت کرے گا۔ سو اس نے انجام کا آغاز شروع کر دیا ہے۔ فاصلے سمٹ رہے ہیں۔ دنیا ایک عالمی بستی بن رہی ہے۔ یہ انتظام اس بات کا ہے کہ اس بستی کے مکینوں کو اس کریم کا آخری پیغام پہنچا دیا جائے۔ یہ بتا دیا جائے کہ خدا کو سب سے بڑھ کر چاہنا اور اس کا بندہ بن کر رہنا نجات کی بنیادی شرط ہے۔ دوسری شرط بندوں کے ساتھ خیر خواہی ہے۔ یہی ایمان ہے۔ یہی اخلاق ہے۔ یہی راہ نجات ہے۔

یہ اس کے عدل کا تقاضا ہے کہ وہ ہر انسان کو بتا دے کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ سو اس نے اپنی بات کا ابلاغ آخری دفعہ شروع کر دیا ہے۔ خوش نصیب ہیں جو ہر کام چھوڑ کر ایمان و اخلاق کی اس دعوت کو دنیا تک پہنچانا اپنا مشن بنالیں۔ خوش نصیب ہیں وہ جو ایمان و اخلاق کی اس دعوت کو زندگی بنالیں۔ کیونکہ فیصلے کا وقت آ رہا ہے۔

اب زیادہ دیر نہیں کہ یہی لوگ خدا کی فردوس میں عیش جاوداں، حیات ابدی، حسن لازوال اور ختم نہ ہونے والی بادشاہی کے وارث بنا کر بسائے جائیں گے۔ اس بستی میں داخلے کا یہ آخری موقع ہے۔ ہوش و گوش والو! آگے بڑھو یہ موقع ہمیشہ کے لیے ختم ہوا چاہتا ہے۔

اچانک کھائی

''زندگی ایک سفر ہے۔لیکن یہ سفر ہموار راستے کا نہیں بلکہ ایک پہاڑی سلسلے کا سفر ہے جہاں انسان ایک کے بعد دوسری چوٹی عبور کرتا چلا جاتا ہے۔''

عارف آج اپنی مجلس میں زندگی اور موت کو سمجھا رہے تھے۔لوگوں کو لگ رہا تھا کہ نگاہوں پر پڑے پردے اٹھ رہے ہیں۔ بہت سی مثالوں کے بعد یہ ایک اور تمثیل تھی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں پر موت کی حقیقت واضح کرر ہے تھے۔

''چوٹیاں سر کرنے کا عمل بچپن ہی سے شروع ہوجاتا ہے۔انسان جب چلنا سیکھتا ہے، جب بولنا شروع کرتا ہے، جب کھیل کود کے میدان میں اترتا ہے، جب وہ اپنے حریفوں کو میدان میں شکست دیتا ہے، تعلیمی میدان میں کامیابیاں حاصل کرتا ہے تو ان میں سے ہر موقع چوٹی فتح کرنے کا مزہ دیتا ہے۔

پھر جوانی کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔انسان دل دیتا ہے۔دل لیتا ہے۔پھر اسی جوانی میں انسان جاب، کیریئر اور حصول ملازمت کی چوٹیاں چڑھ کر آخر کار گھر آباد کرنے کی مہم سر کرتا ہے۔ پھر مکان، دکان، گاڑی، بینک بیلنس کے ساتھ اولاد کی پیدائش،ان کی خوشیاں وہ چوٹیاں ہیں جو انسان پے در پے عبور کرتا جاتا ہے۔''

''اورغم کی اس سفر میں کیا حقیقت ہے؟''،ایک صاحب نے سوال کیا۔

''غم، ناکامی، دکھ اور محرومی بھی اس راہ کی چٹانیں ہیں۔انسان زندگی کے سفر میں انھیں بھی عبور کرتا چلا جاتا ہے۔مگر زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ اس سفر میں منزلِ سفر اور اس سامان سفر کو بھولا رہتا ہے جس کی ضرورت منزل پر پہنچنے کے بعد پڑے گی۔''

''اور یہ منزل موت ہے۔''،ایک پرانے رفیق نے عارف کے مدعا کو پالیا۔

''ہاں یہ منزل موت ہے۔ مگر انسان اس منزل کو بھولا رہتا ہے، اس کے سامان کو بھولا رہتا ہے۔ یہ سامان بھی زندگی کے پہاڑی سلسلے پر کچھ اخلاقی چوٹیوں پر پڑا ہوتا ہے۔ مگر بیشتر انسان ان چوٹیوں پر چڑھنا وقت، پیسے، توانائی اور صلاحیت کا زیاں سمجھتے ہیں۔ کچھ ان کا رخ کرتے بھی ہیں تو بس رسمی سا سامان اٹھاتے ہیں۔ وہاں جو خزانہ دفن ہے، اسے کھود کر ساتھ لے جانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ یوں کچھ مکمل طور پر اور کچھ جزوی طور پر اس خزانے سے محروم رہ جاتے ہیں جسے اٹھانا ہی اس سفر کا اصل مقصود تھا۔

چنانچہ چوٹیاں فتح کرنے کا ان کا سفر جاری رہتا ہے۔ اولاد کی شادیاں، ان کو زندگی میں سیٹ کرنا، معاشرے میں مقام اور پھر اسٹیٹس کو بلند سے بلند تر کرنے کی وہ چوٹیاں جو ادھیڑ عمر کے بعد بڑھاپے کو بھی نچوڑ لیتی ہیں اور اس کے بعد ایک روز اچانک کھائی آ جاتی ہے۔

''اچانک کھائی......دلچسپ تعبیر ہے۔'' ایک صاحب نے تبصرہ کیا تو عارف نے انھیں دیکھتے ہوئے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

''ہاں اچانک کھائی......موت کی کھائی اچانک ہی آتی ہے۔ زندگی کے پہاڑی سلسلے کی یہ خصوصیت ہے کہ انسان اس کے پار موجود موت کی وادی کو کبھی نہیں دیکھ پاتا۔ اس کے سامنے تو ہر چوٹی کے بعد ایک دوسری چوٹی آ جاتی ہے۔ مگر پھر اچانک ایک روز زندگی کے اس پہاڑی سلسلے کی آخری حد آ جاتی ہے۔ جس کے آگے ایک گہری اور مہیب کھائی ہوتی ہے۔ یہ موت کی کھائی ہے جس کا اندازہ تو ہر شخص کو اس طرح ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے سے پہلے جانے والوں کو پے در پے نظر سے غائب ہوتا ہوا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ مگر وہ اس اچانک کھائی میں ایک دم سے گرنے کو اپنا مسئلہ نہیں بناتے۔''

''مگر ہم علم کے باوجود اسے مسئلہ کیوں نہیں بناتے؟''، ایک صاحب نے سوال کیا۔

’’اس لیے کہ ہم نفسیاتی طور پر مرنا نہیں چاہتے۔ ہم چوٹی پر چوٹی فتح کرنا چاہتے ہیں۔ بڑھاپے کی دہلیز پر پہنچ کر بھی ہم زندگی کا سفر جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ یہی ہماری نفسیات ہے جو ہمیں موت کی کھائی کی سنگینی کو سمجھنے سے روک دیتی ہے۔ مگر پھر ایک روز جب بظاہر ہم کوئی چوٹی فتح کررہے ہوتے ہیں تو ہمارے سامنے موت کی اچانک کھائی آجاتی ہے۔ سامنے کا منظر دیکھ کر ہم اپنا سارا مال خرچ کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔ زندگی خدا کی نظر کرنے کے لیے راضی ہوجاتے ہیں۔ مگر اب نہ مال بچا نہ زندگی بچی۔ بس جو پہلے اخلاقی چٹانوں سے کمایا تھا وہی نئے سفر کا زادِراہ ہے جو اکثر بہت تھوڑا ہوتا ہے۔‘‘

’’ہم اس زادِراہ کو کیسے بڑھائیں؟‘‘

’’یہ ایک اصل سوال ......‘‘، عارف نے سائل کی تحسین کرتے ہوئے کہا۔

’’نئے سفر کا سامان وہی شخص اکٹھا کرسکتا ہے جو سفر کی ابتدا ہی سے خود کو ہر روز اور ہر رات چشم تصور سے اچانک کھائی کے کنارے دیکھتا رہے۔ یہی وہ شخص ہے جو مادی چوٹیوں کی فتح میں کبھی اخلاقی چوٹی میں دفن خزانے کو جمع کرنا نہیں بھولے گا۔ وہ بلاتعصب ایمان کا خزانہ ہر فرقہ وارانہ اور نظریاتی تعصب سے بلند ہوکر اٹھائے گا۔ وہ عدل، احسان، انفاق کی گھاٹیوں کو بخوبی عبور کرے گا اور فواحش، منکر اور ظلم و زیادتی کی جھاڑیوں کو کاٹ کر ان کے نیچے دفن خزانے کو صبر کی کدال سے باہر نکالتا رہے گا‘‘، اتنا کہہ کہ عارف لمحے بھر کو رکے اور پھر گویا ہوئے۔

’’ہر شخص کو ہر رات سونے سے قبل خود کو اچانک کھائی کے کنارے ضرور دیکھنا چاہیے۔ اس کے بعد موت آپ کے لیے زندگی کے سفر کا خوشگوار انجام بنے گی۔ آپ کے پاس وادی موت میں واقع جنت کے بازار سے ہر چیز خریدنا سہل ہوجائے گا۔ اور اگر یہ نہیں کیا تو......‘‘۔

عارف بات مکمل کیے بغیر خاموش ہوگئے کیونکہ اگلی بات ہر شخص پر واضح تھی۔

ملٹی ورس اور سات آسمان

جدید طبعیات میں ایک تصور جنم لے رہا ہے جسے ملٹی ورس (multiverse) کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ہماری کائنات کے علاوہ بھی اور کائناتیں پائی جاسکتی ہیں۔ اس تصور کو بعض لوگ انکار خدا کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس بات کا پس منظر یہ ہے کہ موجودہ کائنات بگ بینگ تھیوری کے مطابق آج سے کم و بیش 13.8 ارب سال پہلے وجود میں آئی۔ کائنات کا اس طرح وجود میں آنا اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ یہ کائنات ابدی نہیں ہے بلکہ 13.8 ارب سال پہلے اس کا آغاز ہوا۔ یہ کائنات اگر ابدی ہوتی تو اس کے خالق کی بحث ختم ہوجاتی۔ لیکن کائنات کے متعین آغاز نے اس مقدمے کو ایک سائنسی مقدمہ بنادیا ہے کہ ایک خالق نے اس کائنات کو وجود بخشا ہے۔

یہی وہ پس منظر ہے جس میں متعدد کائناتوں کے تصور (multiverse) کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جارہا ہے کہ ہماری کائنات کوئی تنہا کائنات نہیں بلکہ بہت سی ایسی کائناتیں موجود ہیں اور اپنی ذات میں یہ سلسلہ ابدی طور پر لامحدود ہے۔ چنانچہ ہماری کائنات اگر 13.8 ارب سال پہلے تخلیق ہوئی ہے تو اس کے لیے کسی خالق کو ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ کائناتوں کے اس ابدی سلسلے میں ہماری کائنات اور نتیجے کے طور پر ہماری زندگی محض ایک اتفاق سے وجود میں آئی ہے۔

یہ استدلال اپنی ذات میں کتنا کمزور ہے، اس پر گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ بہت سادہ بات ہے کہ جو خالق ایک کائنات پیدا کرسکتا ہے وہ مزید کائناتیں بھی پیدا کرسکتا ہے۔ اگر مزید کائناتیں کبھی سائنسی طور پر ثابت بھی ہوگئیں تو اس سے ان کے خالق کی نفی نہیں ہوجائے گی۔

تاہم اس مضمون کا اصل مقصد اس بات کی طرف توجہ دلانا تھا کہ دنیا میں مذہب کے نام پر جو

واحد لٹریچر مستند طور پر خالق کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے یعنی قرآن مجید وہ تو اپنے نزول کے زمانے ہی سے اصرار کے ساتھ یہ کہہ رہا ہے کہ خالق نے صرف یہی ایک کائنات نہیں بنائی بلکہ سات آسمانوں کی شکل میں سات کائناتیں تہہ بہ تہہ بنائی ہیں، (ملک 3:67)۔ ہماری کائنات کو قرآن ''السماء'' یا سماء الدنیا'' یعنی اس دنیا کے آسمان سے تعبیر کرتا ہے۔ ہر کائنات میں اس کے حساب سے خدا کا حکم جاری ہے، (فصلت 12:41)۔قرآن یہ بھی واضح کرتا ہے کہ ہر کائنات میں ہماری زمین جیسی ایک زمین بھی ہے، (طلاق 12:65)۔

یہ تمام کائناتیں ایک مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ایک خاص وقت تک اسی طرح چلتی رہیں گی (احقاف 3:46)۔ پھر ایک وقت آئے گا جب زمین و آسمان کی موجودہ ہیئت بدل کر کچھ سے کچھ کر دی جائے گی، (ابراہیم 48:14)۔ یہ انسانوں کے حساب و کتاب کا دن ہوگا جب وہ اپنے خالق کے حضور دوبارہ زندہ کر کے پیش کیے جائیں گے۔اس کے بعد یہ تمام کائناتیں ان انسانوں کو بطور انعام دے دی جائیں گی جنھوں نے اس دنیا میں خدا کے احساس اور اس کی فرمانبرداری میں ایک اچھی اخلاقی زندگی گزاری آل عمران 133:3۔

یہ ہے قرآن مجید کا تصور کائنات جو روزِ روشن کی طرح بالکل واضح ہے۔اس میں کوئی شک اور کوئی کنفیوژن نہیں ہے۔ یہ تصور یہ صاف بتاتا ہے کہ یہ تمام کائناتیں خدائے عزیز و علیم کے ایک منصوبے کے تحت وجود میں آئیں۔ہم اس منصوبے کے اس پہلے مرحلے میں موجود ہیں جب خدا اگلی دنیا کے لیے جو غیر فانی ہوگی موجودہ دنیا کی شکل میں ایک خام مال تیار کر رہا ہے۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جس طرح اس نے اس خام مال سے نمونے کے طور پر ابتدائی شکل میں یہ جنت ارضی بنائی ہے، وہ آنے والی دنیا میں اس سے کہیں بہتر شکل میں نئی دنیا کو تشکیل دے گا۔

یہ جنت ارضی نہ صرف آنے والی دنیا کا ابتدائی تعارف ہے بلکہ اس کا ایک دوسرا کردار یہ

ہے کہ اس میں اس نے ہم انسانوں کو جنم دیا ہے کہ دیکھے کہ ہم میں سے کون اچھے اعمال کرتا ہے، (ہود 7:11)۔اور جیسا کہ بیان ہوا کہ یہ امتحان اس حسن عمل کا ہے کہ کون اپنی زندگی اس مادی دنیا کے نفع وضرر کے باوجود اخلاقی اصولوں کے مطابق گزارتا ہے۔ جو لوگ خدا کی اس عظیم کائنات میں اس کی قدرت کے آثار دیکھ کر اور غیب میں رہتے ہوئے خدا کو مانیں گے (البقرہ 3:2) اور اخلاقی طور پر اچھے اعمال کریں گے وہی اگلی دنیا کی کامیابی کے مستحق ہوں گے جب نئی کائناتیں اپنے تمام تر حسن و جمال کے ساتھ اپنے اقتدار کا تخت ان کے حوالے کر دیں گی۔

اس مختصر سی زندگی میں ہمارے پاس ایک راستہ یہ ہے کہ ہم اس عظیم موقع کا فائدہ اٹھائیں اور خود کو ملٹی ورس کی بادشاہی کا حقدار ثابت کریں۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے جذباتی بحران، ردعمل کی سوچ اور خواہشات کی بے لگامی کی بنیاد پر خالق کائنات کا انکار کر دیں۔اس کی نافرمانی اور سرکشی کا راستہ اختیار کرلیں۔ہمیں یہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔مگر اس کا انجام کائناتوں کی بادشاہی نہیں ہے۔ بلکہ جہنم کا وہ جیل خانہ ہے جہاں ابد تک چیخنا اور چلانا ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کی مدد کرو، ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مظلوم کی مدد تو میں کر سکتا ہوں، لیکن اگر بھائی ظالم ہو تو اس کی مدد کس طرح کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو ظلم کرنے سے روک دو۔ (بخاری، مسلم)

یہ راستہ کوئی اور ہے

بعض غزلیں شاعروں کو امر کر دیتی ہیں۔ سلیم کوثر کی غزل 'میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے' کا معاملہ بھی یہی ہے۔ آج کل جب اپنے عزیز دوستوں اور احباب سے ملتا ہوں، ان کی شکلیں دیکھتا ہوں، ان کی باتیں سنتا ہوں تو اس غزل کا ایک شعر نہ جانے کیوں ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔

کبھی لوٹ آئیں تو پوچھنا نہیں دیکھنا انھیں غور سے

جنھیں راستے میں خبر ہوئی کہ یہ راستہ کوئی اور ہے

''تبدیلی سرکار'' سے پرستش کی حد تک محبت کرنے والے ہوں یا ''سویلین بالادستی'' والوں کی حمایت میں مورچہ لگانے والے ہوں، انھیں عرصے سے سمجھا رہا تھا کہ سماج ایسے نہیں بدلتے۔ خیر ایسے نہیں آتی۔ اجتماعی معاملات تقریروں سے بہتر نہیں ہوتے۔ اس کے لیے ایک نسل کو جنگ کرنی پڑتی ہے۔ اپنے آپ کو خاموش مگر مستقل جدوجہد کے لیے وقف کرنا پڑتا ہے۔

مگر یہ لوگ نہ مانے۔ خدا نے انھیں ایمان و اخلاق کی دعوت سے روشناس کرایا، مگر یہ لوگ قدردان نہ بن سکے۔ موتیوں کو چھوڑ کر کنکروں کو جمع کرتے رہے۔ خدا کی بادشاہی اور اس کے قرب کا انتہائی آسان موقع چھوڑ کر میدان سیاست کو دل دے بیٹھے۔ خدا کی جنگ کو چھوڑ کر لیڈروں کی جنگ کو لڑتے رہے۔ مگر کوئلوں کی دلالی میں ہاتھوں کی سیاہی کے سوا کیا ملتا ہے؟

اپنے محبت کرنے والوں کو شرمندہ نہیں کرنا، صرف یاد دلانا ہے...... شیاطین کے لشکر بہت ہیں اور خدا کا دین ان کے نرغے میں گھرا آپ کو آج بھی اپنی مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ لوٹ آئیں...... خدا ابھی بھی آپ کا منتظر ہے۔ آپ کی توانائی، وقت، پیسے اور صلاحیت کا بہترین مصرف ایمان و اخلاق کی دعوت ہے۔ اور ہاں...... دنیا میں جو تبدیلی آپ چاہتے ہیں، وہ بھی یہیں سے آئے گی۔ کوئی دوسرا راستہ اِس منزل تک نہیں جاتا۔

یہ نعمت مصیبت کیوں بن گئی ہے

[یہ مضمون 1998 میں لکھا گیا تھا اور روزنامہ جنگ میں شائع ہوا تھا۔ بعدازاں ایک کتابچے کی شکل میں بھی بہت بڑی تعداد میں شائع ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس کے نتیجے میں بہت سے لوگوں نے اپنے بچوں کی صحیح وقت پر شادی کی فکر شروع کی۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی پہلوؤں سے کچھ نہ کچھ بہتری آئی۔ حال ہی میں بعض احباب نے اس مسئلے پر توجہ دلائی تو مجھے احساس ہوا کہ اس آرٹیکل کو دوبارہ شائع ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ قارئین کی خدمت میں 22 برس پرانی یہ تحریر اس امید پر پیش ہے کہ ان شاء اللہ بہت سی زندگیوں میں اس سے بہتری آئے گی۔ ابویحییٰ]

نکاح کا رشتہ انسانی معاشرت کا نقطۂ آغاز ہے جس میں ایک مرد و عورت مل کر معاشرے کا بنیادی یونٹ یعنی خاندان بناتے ہیں۔ یہ رشتہ اپنے اندر فرد اور معاشرے کی اتنی ضرورتوں کا جواب لیے ہوئے ہے کہ بلاشبہ اسے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ایک قرار دیا جاسکتا ہے۔ مگر نوجوانوں بالخصوص لڑکیوں کے لیے موزوں رشتوں کا نہ ملنا آج ہر گھر کا مسئلہ بن چکا ہے۔ نتیجتاً ایک ایسا اضطراب وجود میں آیا ہے جس نے معاشرے کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ضروری ہے کہ اس مسئلے کا حقیقت پسندانہ انداز میں جائزہ لیا جائے تاکہ اصلاحِ احوال کی صورت سامنے آسکے۔ ذیل میں ہم اس مسئلے کو پیدا کرنے والے عوامل، ان کے نتائج اور آخر میں اس مسئلے کے حل کے لیے کچھ تجاویز پیش کریں گے۔

نکاح کا فطری ضرورت کے مقام سے ہٹنا:۔

ہمارے نزدیک اس مسئلے کی بنیاد یہ ہے کہ ہم نے اپنے معاشرے میں نکاح کو اس کے فطری مقام سے ہٹا دیا ہے۔ خدا نے غذا، پانی اور لباس کی طرح نکاح کو بھی انسان کی بنیادی ضرورت بنایا ہے۔ ہر دور میں لوگوں نے اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے دوسری بنیادی ضرورتوں کی طرح بلوغ کو پہنچنے پر نوجوانوں کے نکاح کا نہ صرف انتظام کیا بلکہ اسے ہر دوسری شے پر مقدم رکھا ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج کی مادی دنیا میں غیر ضروری تعیّشات اور ثانوی درجہ کی سہولیات، زندگی

میں غیر معمولی اہمیت اختیار کرگئی ہیں۔اب لوگ نکاح کی بنیادی ضرورت کونظر انداز کر کے ذاتی گھر، گاڑی ، اعلیٰ جاب ، بینک بیلنس اور دیگر اشیائے تعیّشات کے حصول کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں تاکہ مادی اعتبار سے کامیاب زندگی گذاری جاسکے۔نتیجتاً بلوغ کی عمر پر۱۵سے۲۰ سال گزر جانے کے باوجود بھی ایک نوجوان اس قابل نہیں ہوپاتا کہ اس ’’کامیاب‘‘ زندگی کا آغاز کر سکے۔اس مصنوعی عیش کے پیچھے ایک طرف تو وہ نوجوان ایک پاکیزہ، مستحکم اور پرلطف زندگی سے محروم ہوجاتا ہے جو وقت پر شادی کی صورت میں اسے ملتی، دوسری طرف شادی کی عمر میں اضافے اورلڑکیوں کے لیے رشتوں کے نہ ملنے کا وہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے جو اگر بڑھے گا تو سوسائٹی کے تاروپود بکھیر کررکھ دے گا۔

لڑکیوں کی وجہ سے لڑکوں کی شادی میں تاخیر:۔

اکثر گھروں میں ہر اعتبار سے شادی کے قابل لڑکوں کی موجودگی کے باوجود ان کی شادی میں تاخیر صرف اس وجہ سے کی جاتی ہے کہ گھر میں ابھی بہنیں موجود ہیں۔بہنیں چاہے چھوٹی ہی کیوں نہ ہوں ان کی عمر نکل جانے کے خوف سے بڑے بھائیوں کی شادی اکثر غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کردی جاتی ہے۔ بظاہر یہ سوچ کچھ ایسی غلط نہیں کیوں کہ ہمارے معاشرے میں لڑکوں کے برعکس لڑکیوں کی شادی کا معاملہ اپنے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔مگر جب معاشرے کی اکثریت یہی روش اختیار کرلیتی ہے تو لڑکیوں کے لیے دستیاب رشتوں کی تعداد خود بخود کم ہوجاتی ہے۔اس لیے کہ ہر شخص اپنی بہن، بیٹی کی شادی کے لیے تو تیار ہے مگر دوسروں کی بیٹیوں کو اپنے گھر لانے کے لیے آمادہ نہیں۔آخر کار وہی مشکل سامنے آجاتی ہے جس سے لوگ بچنا چاہتے ہیں یعنی لڑکیوں کی عمر کا نکل جانا۔

طرفین کے مطالبات:۔

شادی کے مسئلے کو مشکل بنا دینے والی ایک اور چیز طرفین کے وہ مطالبات ہیں جن کا پورا کرنا اکثر لوگوں کے لیے بہت مشکل یا ناممکن ہوتا ہے۔لڑکے والوں کی طرف سے عموماً دو چیزوں کا مطالبہ سامنے آتا ہے۔ ایک جہیز اور دوسرا لڑکی کا خوبصورت ہونا۔لڑکیوں کے لیے جہیز کا

بندوبست یوں تو والدین کے لیے کبھی بھی کوئی بہت زیادہ خوشگوار کام نہیں رہا لیکن معاشی بحران کے اس دور میں یہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔ یہاں تک کہ جہیز کی وہ کم از کم مقدار جو سوسائٹی میں بلا مطالبہ معیار بن چکی ہے وہ بھی غریب و متوسط طبقے کی پہنچ سے باہر ہے۔ جہاں تک خوبصورتی کا سوال ہے تو ہمارے معاشرے کی زیادہ تر لڑکیاں مناسب شکل وصورت کی حامل تو ضرور ہوتی ہیں مگر خوبصورتی کی ان شرائط کو پورا نہیں کر پاتیں جو میڈیا پر آنے والی اداکاراؤں اور ماڈلوں کے زیرِ اثر لوگوں کے لیے معیار بن گئی ہیں۔حالانکہ ان اداکاراؤں کا یہ رنگ و روپ، جس کی بہار نے لوگوں کو یہ راہ دکھائی ہے، حسن خداداد کم ہی ہوتا ہے۔زیادہ تر یہ کیمرہ، روشنی، میک اپ اور نسوانی رنگ و روپ اور دلکشی کو بڑھانے والی ادویات اور سرجری وغیرہ کا کمال ہوتا ہے۔

دوسری طرف لڑکی والوں کی ڈیمانڈ لڑکے کا مالی استحکام ہوتا ہے۔ وہی لڑکے اب معاشرے میں قابلِ ترجیح ہیں جو ایک اچھی جاب یا کسی چلتے ہوئے کاروبار کے مالک ہوں۔نوجوانی میں یہ شرائط صرف متمول خاندانوں کے چشم و چراغ پوری کر سکتے ہیں۔ایک عام شخص اس مقام تک پہنچتے پہنچتے نوجوانی کی عمر سے گزر چکا ہوتا ہے۔

فریقین کے ان مطالبات پر ایک نگاہ ڈالیے اور ایک نظر زندگی کے حقائق اور اپنے معاشرتی اور معاشی حالات پر بھی ڈال لیجیے۔فساد کی جڑ تک پہنچنے میں آپ کو زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ پھر ان مادی بنیادوں پر استوار ہونے والے رشتوں کے نتائج نکلتے ہیں، ہم آگے چل کر ان کا بھی تجزیہ کر کے بتائیں گے کہ یہ کیسا معاشرتی بگاڑ پیدا کرتے ہیں۔

لسانی اور علاقائی تعصّبات:۔

دستیاب رشتوں کا محدود دائرہ مزید تنگ کر دینے والی ایک اہم چیز لوگوں کے وہ جاہلی تعصّبات ہیں جنہیں لوگ اپنی روشن خیالی اور اسلام پسندی کے تمام تر دعووں کے باوجود چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ذات پات، برادری، قومیت اور زبان وغیرہ آج بھی بہت سے لوگوں کے لیے اصل معیار ہیں۔ان دائروں سے باہر کتنے ہی اچھے رشتے مل سکتے ہیں مگر ان کا تعصب اور

ہٹ دھرمی انہیں اس مصنوعی خول سے باہر نکلنے نہیں دیتا، چاہے شادی کی عمر نکل جائے یا بے جوڑ شادیاں کرنی پڑیں۔ سماجی مسائل کے ساتھ اس رویے کے طویل المدتی جسمانی نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ جدید سائنسی تحقیق نے مخصوص خاندانوں اور برادریوں تک محدود رہنے کے مضر نتائج کو بہت واضح کر دیا ہے۔ جس کے مطابق ایسی شادیوں کے نتیجے میں جنم لینے والے انسان بتدریج کمزور ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ والدین اولاد اور خاص طور پر لڑکیوں کا رشتہ کرتے وقت اس چیز کا لحاظ ضرور کرتے ہیں کہ آیا ان کے لیے دوسرے خاندان کے عمومی رہن سہن سے ہم آہنگ ہونا ممکن ہوگا یا نہیں۔ اس میں دوسرے پہلوؤں کے علاوہ ذات برادری وغیرہ بھی دیکھی جاتی ہے۔ یہ کوئی قابلِ مذمت بات نہیں۔ کیونکہ مستقبل کی ذہنی ہم آہنگی کے لیے اس کی رعایت ضروری ہے۔ مگر یہ چیزیں رشتے ناطوں کا اصل معیار قرار پا جائیں تو پھر مسائل پیدا کرتی ہیں۔ دوسری ہر بات پر اطمینان ہونے کے باوجود صرف ذات، برادری اور قومیت وغیرہ کی بنیاد پر کسی رشتہ سے انکار کرنا ایک نامناسب فعل ہے جس سے اجتماعی اور انفرادی مسائل بڑھتے ہیں۔

غلط تصورات کا فروغ:۔

شادی سے متعلق بہت سے غلط تصورات معاشرے میں اس طرح جڑ پکڑ چکے ہیں کہ ان کی اصلاح بظاہر بہت مشکل ہے۔ ان کی بنیاد پر لوگوں نے اپنے آپ پر بہت سی خود ساختہ پابندیاں عائد کر لی ہیں چنانچہ ایک مشکل مسئلہ مشکل تر ہو گیا ہے۔ مثلاً شادی کی عمر کو لے لیجیے ۲۳، ۲۴ سال کا کوئی نوجوان شادی شدہ نظر آ جائے تو لوگوں کا پہلا تبصرہ یہ ہوتا ہے کہ بہت چھوٹی عمر میں شادی ہو گئی ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ جب تک لڑکی پڑھ رہی ہے اس کی شادی نہیں ہو سکتی اور اگر شادی ہو گی تو تعلیم چھوڑنی ہو گی اس لیے دوران تعلیم اکثر والدین کو لڑکیوں کی شادی کا خیال بھی نہیں آتا۔ یوں شادی کی بہترین عمر کا ایک بڑا حصہ بلا وجہ ضائع ہو جاتا ہے۔ حالانکہ خود ہمارے معاشرے میں خواتین کی ایک بڑی تعداد ہے جو شادی شدہ اور کئی بچوں کی ماں

ہونے کے باوجود تعلیم سے زیادہ مشکل اور وقت طلب کام یعنی ملازمت کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔

ہندو کلچر کے زیر اثر ایک اور غلط تصور پیدا ہوگیا ہے کہ شادی زندگی کا اہم ترین واقعہ ہے۔ لہٰذا جب یہ ہوگی تو بہت دھوم دھام سے ہوگی ۔اس ''دھوم دھام'' پر ہونے والا خرچہ اب لاکھوں سے بڑھ کر دسیوں لاکھ روپے تک پہنچ چکا ہے ۔اس چیز نے شادی کے عمل کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔اسی طرح ایک تصور یہ ہے کہ شادی اور خاص کر کسی خاتون کی شادی کسی سبب سے ٹوٹ گئی تو دوبارہ نہیں ہوسکتی ۔اس تصور کے پیچھے یہ عملی مشکل ہے کہ جس معاشرے میں ایک کنواری نوجوان لڑکی کا نکاح ایک مسئلہ بن چکا ہو وہاں کسی بیوہ یا مطلقہ کو کون غیر شادی شدہ نوجوان سہارا دے گا۔ ہم اپنے معاشرے کی بیوہ اور مطلقہ خواتین کو ستی تو نہیں کرتے لیکن اس کی زندگی جہنم بنانے میں کوئی کسر بھی نہیں چھوڑتے ۔اس طرح کے مسائل صرف اس تصور کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ عورت کی ایک شادی اگر ٹوٹ گئی ہے تو اسے دوسری شادی کا سوچنا بھی نہیں چاہیے۔ کیونکہ کنوارا مرد اس سے شادی کرے گا نہیں اور شادی شدہ کو کرنے نہیں دی جائے گی ۔

اسی طرح ایک اور نا معقول تصور یہ رائج ہے کہ لڑکی والوں کا کسی گھرانے میں اپنی لڑکی کے رشتہ کی تجویز دینا ایک معیوب بات سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں لوگوں کا اپنی لڑکیوں کے لیے کہیں رشتہ دینا کوئی معیوب نہ تھا۔ اور ہونا بھی نہیں چاہیے کیونکہ جس طرح شادی لڑکی کا مسئلہ ہے اس سے کہیں زیادہ لڑکے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر بعض اوقات کسی لڑکی کی طرف لڑکے والوں کا خود دھیان نہیں جاتا یا پھر کسی وجہ مثلاً لڑکی کی بلند مالی حیثیت کی بنا پر وہ جھجک میں رشتہ نہیں بھیجتے ۔اگر لڑکی والوں کی پہل کو معیوب نہ سمجھا جائے تو اس طرح کے مسائل سے بچا جا سکتا ہے۔

نتائج واثرات:۔

ہم شروع میں لکھ چکے ہیں کہ شادی کا بندھن انسانی معاشرت کا نقطہ آغاز ہے لہٰذا نکاح کے معاملات میں رکاوٹ و مشکلات کا اثر پوری معاشرتی زندگی پر پڑے گا، ان مہلک اثرات کے کچھ نمایاں پہلو درج ذیل ہیں۔

اخلاقی اقدار کا زوال:۔

ہماری تہذیبی اور اخلاقی اقدار کے روز افزوں زوال کے پیچھے کام کرنے والا سب سے مؤثر عامل نوجوانوں کی شادی میں تاخیر ہے۔ نکاح کی فطری ضرورت کونظر انداز کرنے سے یہ جبلی تقاضا معدوم نہیں ہوجاتا۔جس معاشرے میں بلوغ کی عمر پر ۱۵ سے ۲۰ سال بغیر نکاح کے گذارنا ایک معمول ہو وہاں بے راہ روی کا پھیلنا زیادہ بڑی بات نہیں ہے۔اس سیلاب کے آگے اگر بندھ نہ باندھا گیا تو یہ سیل بے پناہ ہماری بچی ہوئی اخلاقی اقدار کو اپنے ساتھ بہا کر بہت جلد ہمیں اس مقام پر پہنچادے گا جس کا اظہار برطانیہ میں کئے گئے ایک حالیہ سروے سے ہوتا ہے۔اس سروے کے مطابق ۱۰۰ میں سے ۹۹ برطانوی لڑکیاں شادی کے وقت کنواری نہیں ہوتیں۔شادی میں تاخیر بے راہروی کے اس سیلاب کے پھیلاؤ کا سب سے اہم محرک ہے۔

اہل مغرب کا ذکر آ گیا ہے تو ہم قارئین پر یہ واضح کرتے چلیں کہ اس معاملے میں ان کا طرزِ عمل کیا ہے۔ جب انہیں شادی میں تاخیر کے مسئلے کا سامنا ہوا تو وہ ہماری طرح آنکھیں میچ کر نہیں بیٹھ گئے بلکہ انہوں نے شادی کو تو تیس چالیس سال کی عمر تک موخر کر دیا لیکن جنس کے جبلی جذبے کی رعایت کرتے ہوئے شادی کے بغیر مرد وعورت کے ساتھ رہنے کو ایک معاشرتی قدر کے طور پر قبول کرلیا اور اسے باقاعدہ قانونی حیثیت دے دی۔اس کے جو منفی نتائج بعض دوسرے حوالوں سے نکلے،ان سے قطع نظر،انہوں نے اپنے اس مسئلے کو''خوش اسلوبی'' سے حل کرلیا۔لیکن ظاہر ہے کہ ہمارے لیے یہ حل قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

نفسیاتی مسائل:۔

اہلِ عرب مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دیتے تھے۔خدا نے ان کے اس فعلِ قبیح پر شدید نکیر کی ہے۔ بدقسمتی سے آج،مفلسی کے خوف سے ہم بھی اپنی اولاد کا قتل کر رہے ہیں...... ان کے نکاح میں تاخیر کر کے۔ یہ قتل،تاہم ان کے جسمانی وجود کا نہیں بلکہ ان کے نفسیاتی وجود کا ہوتا ہے۔ ہمارا معاشرہ ایک بند معاشرہ ہے جہاں جنس پر بات کرنے کا تصور بھی انتہائی معیوب ہے۔لیکن ہر واقف حال شخص بخوبی اس بات سے آگاہ ہے کہ صنفی معاملات انسانی شخصیت پر

گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ نوجوانی میں تو انسان اسی دریچے سے دنیا کو دیکھتا ہے۔ جب یہ دریچہ بند ہو گیا تو گویا اس پر روشنی اور تازہ ہوا کے دروازے بند ہو گئے۔ پھر ایک نفسیاتی گھٹن پیدا ہوتی ہے جو آخر کار بہت سے نفسیاتی امراض کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ صورتحال لڑکیوں کے معاملے میں اور زیادہ شدید ہو جاتی ہے۔ پھر بار بار کا رد کیا جانا اور طویل عرصے تک بے یقینی کی صلیب پر لٹکے رہنا شخصیت کا نفسیاتی توازن اس طرح بگاڑ دیتا ہے جس کے اثرات تازیست پیچھا نہیں چھوڑتے۔

معاشی اور سماجی مسائل:۔

جن گھروں میں تین چار جوان لڑکیاں شادی کے لیے بیٹھی ہوں ان کے سرپرستوں کی قلبی کیفیت کا بیان قلم کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ پہلے رشتوں کی فکر، رشتے ہو جائیں تو شادی کے حد سے بڑھے ہوئے اخراجات کی فکر والدین کو گھلا ڈالتی ہے، اکثر قرض لیے بغیر چارہ نہیں ہوتا جس کی ادائیگی برسوں تک وبالِ جان بنی رہتی ہے۔

شادی کے نتیجے میں بھی جو خاندان وجود میں آتا ہے اس کی بنا اکثر ناپائیدار ہوتی ہے۔ مادی بنیادوں پر استوار ہونے والے رشتوں کی بنیاد اتنی مضبوط نہیں ہوتی کہ ان سے زندگی کا تانا بانا بنا جا سکے۔ جن لڑکیوں کی وجۂ انتخاب محض خوبصورتی ہو، ضروری نہیں کہ وہ حسنِ سیرت سے بھی آراستہ ہوں۔ مالی استحکام کے متلاشی مردوں کو اخلاقی تربیت کا وقت اور مواقع کم ہی مل پاتے ہیں۔ اور مل بھی کیسے سکتے ہیں؟ جب زندگی کا نصب العین ہی مادیت کے کنکر چننا قرار پا جائے تو اعلیٰ اخلاقی قدروں کے جواہر سے کون خود کو آراستہ کرے گا۔ ایسی سوچ، ایسے ماحول اور ایسے والدین کی گودوں میں پرورش پانے والے نونہالوں سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ نری مادیت کے تخم سے پروان چڑھنے والے خدا خوفی اور انسان دوستی کے جذبات سے تہی دامن ثابت ہوں گے اور ہو رہے ہیں۔

عورتوں کے خلاف ہونے والے جرائم کی کثرت:۔

صنفی عدم تسکین شخصیت کا توازن بگاڑ کر مجرمانہ ذہنیت پیدا کرنے کا بھی ایک اہم سبب

ہے، بالخصوص عورتوں کے خلاف ہونے والے جرائم کا تو بنیادی سبب یہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ صنفی ہراس (Sexual Harassment) کے لفظ سے ہماری سوسائٹی نا آشنا تھی مگر اب صورتحال بالکل مختلف ہے۔ گھر سے باہر نکلنے والی خواتین کو انتہائی تکلیف دہ حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ راہ چلتی عورت کو گھور کر دیکھنے سے لے کر گینگ ریپ جیسے گھناؤنے جرائم تک جو کچھ ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں وہ سب صنفی عدم تسکین کے بیج سے پیدا ہونے والے شجرِ خبیث کے برگ و بار ہیں۔ ایسے واقعات پر کیئے گئے متعدد سروے ہماری بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ آغاز شباب میں ہی گھر گرہستی کی ذمہ داریوں میں بندھنے والے نوجوان سے ایسے معاملات میں پڑنے کی توقع نسبتاً کم کی جاسکتی ہے۔

مصنوعی طرزِ زندگی کا فروغ:۔

شادی کے مسئلے نے زندگی میں بڑا تصنع پیدا کردیا ہے۔ والدین؛ خصوصاً لڑکیوں کے والدین کو اچھے رشتوں کے حصول کے لیے مصنوعی طور پر اپنا معیار زندگی بلند کرنا پڑتا ہے۔ اچھی جگہ رہائش، آراستہ گھر، عمدہ ملبوسات وغیرہ اچھے رشتوں کے لیے ٹوٹکے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یوں بدقسمتی سے معیارِ زندگی بلند کرنے کی جو ریس پہلے ہی جاری تھی اس میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ لڑکیوں میں خود کو جاذب نظر بنانے کا احساس فطری طور پر ہوتا ہے۔ مگر جب یہ شادی کی شرطِ واحد قرار پاجائے تو پھر یہی چیز مرکزِ نگاہ بن جاتی ہے اور دیگر اعلیٰ انسانی اور اخلاقی اوصاف قابل اعتنا نہیں رہتے۔ جس کے بعد ممکن ہے کہ ان کا ظاہر خوشنما نظر آنے لگے مگر ان کا دامن ان اعلیٰ انسانی خصائل سے خالی رہ جاتا ہے جو عظیم انسانوں کو پروان چڑھاتے ہیں۔

اصلاح احوال کے لیے ضروری اقدامات:۔

ذیل میں ہم کچھ تجاویز پیش کررہے ہیں جو مندرجہ بالا تجزیہ کی روشنی میں ہم اس مسئلے کے حل کے لیے ضروری خیال کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ اگر اصلاح احوال کے لیے ضروری اقدامات فوراً نہ اٹھائے گئے تو پوری سوسائٹی کو اس کے نتائج بھگتنے ہوں گے اور یہ فتنہ قرآن کے الفاظ میں وہ فتنہ ہوگا جو قصوروار اور بے قصور دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے

گا (الانفال ۸: ۲۵)۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ تمام معاشرتی مسائل کی طرح یہ مسئلہ ایک دن میں پیدا ہوا اور نہ ایک دن میں ختم ہوسکتا ہے۔ تاہم معاشرے کی ذہن سازی کرنے والے تمام طبقات اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں تو صورتحال میں بہتری کی بہت کچھ امید کی جاسکتی ہے۔

شادی سے متعلق غلط تصورات کی تصحیح:۔

اصلاح احوال کی سمت پہلا قدم شادی سے متعلق لوگوں کے افکار کی درستی ہے۔ سب سے پہلے یہ بات لوگوں کے ذہن میں راسخ ہونی چاہیئے کہ شادی ہر نوجوان لڑکے اور لڑکی کی ایک بنیادی ضرورت ہے جس پر کسی دوسری شے کو ترجیح نہیں دی جانی چاہیئے۔ بلوغ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کا نفسیاتی وجود جنم لے رہا ہے۔ بالکل اس نومولود کی طرح جو نو مہینے ماں کے پیٹ میں ارتقاء کے مراحل طے کرنے کے بعد اس دنیا میں آتا ہے۔ جس طرح ایک نومولود کی کچھ بنیادی ضروریات ہوتی ہیں اسی طرح نکاح کسی نوجوان کی ایک نفسیاتی ضرورت ہے۔ جس میں غیر ضروری تاخیر تباہ کن ثابت ہوسکتی ہے۔

دوسری چیز جس کی اصلاح کی اشد ضرورت ہے وہ شادی کو اجتماعی زندگی میں غیر معمولی اہمیت دینا ہے۔ ہم نے فرد کی زندگی میں تو شادی کو بہت پیچھے ڈال دیا مگر معاشرے میں اسے حد سے زیادہ اہمیت دیدی ہے۔ اس کے لوازمات بے حساب ہیں اور اس کا اہتمام جوئے شیر لانا ہے۔ شادی پر ہندوانہ رسموں کی کثرت اور ہر جانے انجانے کو اکٹھا کرنا اس کی بڑی نمایاں مثالیں ہیں۔ ہمارے مذہب نے نکاح کو زندگی کی ایک عام ضرورت سمجھا اور اس عمل کو بے حد آسان کردیا۔ ایک مرد اور ایک عورت علانیہ ایجاب وقبول کر کے جب زندگی بھر ساتھ رہنے کا عہد کرلیں تو وہ میاں بیوی بن جاتے ہیں۔ اس طرح لوگ جان لیتے ہیں کہ معاشرے میں ایک نیا خاندان وجود میں آ گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سماجی پہلو سے یہ تلقین کی ہے کہ مرد جس کے ذمے خاندان کی کفالت ہے اپنے قریبی اعزاء کو اپنی خوشی میں شریک کرنے کے لیے حسب استعداد ایک دعوت کا اہتمام کردے۔ اس کے بالمقابل آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم نے خدا کی دی ہوئی اس آسانی کو ایک شدید تنگی سے بدل لیا ہے۔ خصوصاً جو اسراف اس موقع پر

ہمارے یہاں عام ہے اس کے مرتکبین کو خدا شیطان کے بھائی قرار دیتا ہے(بنی اسرائیل ۱۷: ۲۷)۔شیطان سے رشتہ داری قائم کر کے خدا کی رحمت کیسے حاصل کی جا سکتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ جب طے پا گیا کہ شادی زندگی کی لازمی مگر ایک عام ضرورت ہے تو پھر معاشرے کی یہ ذمے داری ہے کہ کوئی شخص معاشرے میں غیر شادی شدہ نہ رہے۔خصوصاً کوئی بیوہ اور مطلقہ تنہا نہیں چھوڑی جائے۔یہ قرآن کا ایک صریح حکم ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

> ''اور تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صلاحیت رکھتے ہوں، ان کے نکاح کر دو۔اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت اور بڑے علم والا ہے۔اور جو نکاح کا موقع نہ پائیں، انہیں چاہیے کہ عفت اختیار کریں، یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انہیں غنی کر دے۔'' (النور۲۴: ۳۲-۳۳)

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس معاشرے میں کنواری لڑکیوں کے لیے رشتوں کا حصول ایک مسئلہ ہے وہاں کسی بیوہ یا مطلقہ کے مسئلے کو کیسے حل کیا جائے۔ہمارے نزدیک اسی قسم کی صورتحال کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے مردوں کی دوسری شادی کو روا رکھا ہے۔

یہ مسئلہ اس دور میں غیر ضروری طور پر بحث و نزاع کا موضوع بن گیا ہے۔بعض لوگ قرآن میں تعدد ازواج کے تذکرے کو(معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی ایک غلطی خیال کرتے ہیں اور طرح طرح سے اس کی تاویلیں کرتے ہیں۔جبکہ بعض کے نزدیک اس طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ایک کھلا لائسنس دے دیا ہے کہ وہ دوسری تیسری اور چوتھی شادی کر کے جب چاہیں اپنا حرم بڑھا سکیں۔اس لیے ہم چاہیں گے کہ مختصراً اس بارے میں بھی کچھ عرض کر دیں۔نکاح کے بارے میں خدا کی مرضی یہی ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت اس رشتے میں بندھ جائیں اور ساری زندگی وہ دونوں ایک ساتھ گزاریں۔اس نے آدم علیہ السلام کے لیے صرف ایک حوا بنائی اور روز وہ یہی کرتا ہے۔اس دنیا میں روزانہ اوسطاً جتنے بچے پیدا ہوتے ہیں اتنی ہی بچیاں پیدا ہوتی ہیں مگر بہت سے اسباب مثلاً عورتوں کی اوسط عمر کا زیادہ ہونا، جنگ و جرائم و حادثات میں مردوں

کا زیادہ مرنا اور دیگر اسباب کے نتیجے میں کسی بھی معاشرے میں شادی کے قابل عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں ہمیشہ زیادہ ہی رہتی ہے۔ یہ اور اس جیسی بعض دیگر سماجی، سیاسی اور تمدنی ضروریات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے یہ اجازت دی ہے کہ مرد ایک وقت میں چار تک نکاح کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ بیویوں میں عدل کر سکیں۔ واضح بات ہے کہ یہ عام حالات کا ضابطہ نہیں ہے۔ عام حالات میں ایک مرد و عورت ہی مل کر خاندان بناتے ہیں۔ تاہم حالات کا تقاضا ہو تو مرد کی ایک سے زیادہ شادی خود ایک سماجی ضرورت بن جاتی ہے۔ اس پس منظر میں دین میں اسے گوارا کیا گیا ہے۔ چنانچہ ہمیں نفس پرستوں کو اس رعایت کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی اجازت دینا چاہیے اور نہ اسے اپنے لیے باعث شرم سمجھ کر اس سے اعلانِ برأت کرنا چاہیے۔ بلکہ اس رعایت سے فائدہ اٹھا کر اس کے ذریعے اپنے اجتماعی مسائل حل کرنے چاہئیں۔

صحیح عمر میں نوجوانوں کی شادی:۔

صحیح عمر میں نوجوانوں کی شادی ان میں سے اکثر مفسدات کی جڑ کاٹ دیتی ہے جن کا تذکرہ نتائج کے ضمن میں ہم اوپر کر آئے ہیں۔ یہ ایک پاکدامن معاشرے کو وجود میں لاتی ہے جہاں نفسیاتی طور پر مضبوط شخصیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ صحیح عمر میں شادی چونکہ فطرت کی پکار کا جواب ہے۔ اس لیے بالخصوص یہ خوبصورتی کی اس مصنوعی طلب کا بھی خاتمہ کر دیتی ہے جس نے نوجوان لڑکیوں کو ہر سمت سے کاٹ کر آئینے کے سامنے لا بٹھایا ہے۔ ۱۷ سے ۲۲ سال کی عمر کے ایک نوجوان میں ہارمونز پورے طور پر متحرک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بیوی کی حیثیت سے جو لڑکی بھی اس کی زندگی میں آئے گی وہ اس کے لیے قابل قبول ہوگی چاہے وہ عام شکل و صورت کی ہی لڑکی کیوں نہ ہو۔ اس کے برخلاف اگر اس عمر میں شادی نہ ہو تو جسم کے اندر کام کرنے والے ہارمونز کے زیر اثر پیدا ہونے والے احساسات اس کے ذہن میں صنف مخالف کا ایک رومانوی خاکہ ترتیب دیں گے جو حقیقت سے بہت زیادہ دلکش ہوگا۔ ایسے نوجوان سے کون یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہوگا کہ وہ تیس سال کی عمر میں معمولی شکل کی حامل کسی لڑکی کے ساتھ برضا و رغبت شادی کرنے پر آمادہ ہو جائے۔

نوجوانوں کی جلدی شادی پر بہت سے اعتراضات کیئے جاتے ہیں۔مگر یہ تمام اعتراضات لغو ہیں جو سطحی اندازِ فکر کی بنا پر پیدا ہوتے ہیں۔اس معاملے میں خدا فطرت کی زبان میں اپنی مرضی کا اظہار کرتا ہے...... جب پہلے وہ ایک نوجوان میں بلوغت کے آثار پیدا کرتا ہے اور اس کے چند سال بعد ذہنی طور پر اس میں صنف مخالف کی شدید طلب پیدا کر دیتا ہے۔فطرت کے ساتھ وہ اپنی کتاب میں بھی اپنی اسی مرضی کو بیان کرتا ہے۔سورۂ نور کی اُس آیت کو، جو ہم نے اوپر نقل کی ہے، ایک دفعہ پھر ملاحظہ فرمایے۔اس میں نہ صرف نکاح پر ابھارا گیا ہے بلکہ اس واحد معقول اعتراض کا بھی جواب دیا گیا ہے جو اس پر وارد ہوتا ہے۔یعنی نکاح کے بعد پیدا ہونے والا معاشی مسئلہ۔اس آیت کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرقرآن مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں۔

''آدمی جب تک بیوی سے محروم رہتا ہے وہ کچھ خانہ بدوش سا بنا رہتا ہے۔اور اس کی بہت سی صلاحیتیں سکڑی اور دبی ہوئی رہتی ہیں۔اسی طرح عورت جب تک شوہر سے محروم رہتی ہے اس کی حیثیت بھی اس بیل کی ہوتی ہے جو سہارا نہ ملنے کے باعث پھیلنے اور پھولنے پھلنے سے محروم ہو۔لیکن جب عورت کو شوہر مل جاتا ہے اور مرد کو بیوی کی رفاقت حاصل ہوجاتی ہے تو دونوں کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں اور زندگی کے میدان میں جب وہ دونوں مل کر جدوجہد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد میں برکت دیتا ہے اور ان کے حالات بالکل بدل جاتے ہیں۔'' (تدبرقرآن ۵/۴۰۰)

جو لوگ خدا کے اس اعلان کے بعد بھی اس بات پر معترض ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ہمارے نزدیک جس معاملے میں خدا اپنا فیصلہ سنا دے وہاں کبھی کوئی دوسری رائے درست نہیں ہوسکتی۔اگر کبھی اس کے نتیجے میں کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے تو اس کی ذمہ داری صرف غلط انسانی رویوں پر عائد ہوتی ہے مثلاً شادی کو ایک بوجھ اور اس کے بعد آنے والی ذمہ داریوں کو ایک مشکل خدا نے نہیں بنایا یہ عذاب ہمارا اپنا انتخاب ہے۔جہاں تک اولاد کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو کثرتِ اولاد کوئی دینی مطالبہ نہیں ہے۔اس کا فیصلہ میاں بیوی اپنے حالات کے اعتبار سے کرسکتے ہیں۔

خیال رہے کہ اس بحث سے شادی کی کوئی خاص عمر طے کرنا ہمارا مقصود نہیں۔سماجی

معاملات میں اس طرح کی کوئی حتمی بات کہنا ممکن نہیں ہوتا۔ ہر فرد اور خاندان کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ چنانچہ لوگ اپنے حالات دیکھ کر ہی اس طرح کا کوئی قدم اٹھاتے ہیں۔ ہمارا زور صرف اس پر ہے کہ نوجوانوں کی شادی اس وقت ہوجانی چاہیے جب وہ واقعی نوجوان ہوں۔ بیس بائیس سال کی عمر کے بعد شادی میں جتنی تاخیر ہو اسے تاخیر ہی سمجھنا چاہیے۔

آخرت کی کامیابی: مقصدِ زندگی:۔

نکاح انسانی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ بگاڑ جب زندگی کے ہر شعبے میں پھیل جائے تو یہ کیسے اس کی پہنچ سے باہر رہ سکتا ہے۔ یہ بگاڑ مادیت کے اس نظریہ کی پیداوار ہے جس کے نزدیک بس اس دنیا کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ فائدہ وہی ہے جو اس دنیا کا فائدہ ہے اور نقصان وہی ہے جو اس دنیا کا ہے۔ ہمارے معاشرے کی اکثریت غیر شعوری طور پر اسی نصب العین کے تحت زندگی گزارتی ہے۔ معیارِ زندگی بلند کرنے کی کبھی نہ ختم ہونے والی دوڑ اسی کا لازمی نتیجہ ہے۔ اخلاق، کردار حیاء، شرافت اور حسن سیرت کے اوصاف اسی وجہ سے بے وقعت ہیں۔ لیکن انسانوں کے لیے یہ رویہ یقیناً غلط ہے اور اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

رویوں میں یہ تبدیلی محض زبانی تلقین سے نہیں آئے گی اور نہ ہی ظاہری اقدامات کوئی واقعی تبدیلی پیدا کریں گے۔ تبدیلی صرف اس یقین سے آئے گی کہ ایک روز ہر شخص کو مر کر خدا کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ اس روز اہمیت صرف اخلاقی اصولوں پر کیئے گئے عمل کو حاصل ہوگی۔ مادیت تو اتنی بے قیمت ہوگی کہ زمین بھر سونا بھی کسی کو خدا کی پکڑ سے نہ بچا سکے گا۔ اگر لوگوں کو اس بات کا یقین ہوجائے تو پھر لوگ شادی کے وقت صرف یہ دیکھا کریں گے کہ اس رفاقت کے نتائج آخرت میں کیا نکلیں گے۔ یہ عورت یا مرد ہمیں جنت کی راہ پر لے جائے گا یا جہنم میں پہنچا دے گا۔ جب لوگ یہ رویہ اختیار کریں گے تو سارے مسائل ختم ہوجائیں گے۔ جن کا آج ہمیں سامنا ہے ورنہ چاہے جہیز پر پابندی لگے یا شادی کے اخراجات پر کوئی مستقل اور حقیقی تبدیلی اس طرح نہیں آئے گی۔

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

مولانا محمد ذکوان ندوی

موت کی یاد دِہانی

کچھ دن پہلے میں اپنے ایک خاندانی بزرگ کے جنازے میں شریک تھا۔غسل سے لے کر تدفین تک ہمارے کئی گھنٹے یہاں گزرے۔اِس دوران جو عمومی تجربہ ہوا، وہ یہ کہ دورِ جدید میں موت جیسا سنگین واقعہ بھی عملاً صرف ایک رسم بن کر رہ گیا ہے۔تعزیت اور جنازہ وتدفین میں شرکت اب لوگوں کے لیے صرف فیملی گیدرنگ (family gathering) کا ایک موضوع بن گیا ہے، نہ کہ عبرت اوراظہارِ خیر خواہی کا موضوع۔

موجودہ زمانے کے بہت سے ''بزی'' اور ''ماڈرن'' لوگوں کے یہاں عیادت وتعزیت جیسی اعلیٰ انسانی قدروں کی نہ کوئی اہمیت ہےاور نہ اِس کے لیے ''ٹائم''،مگر جولوگ تعزیت کرتے بھی ہیں، وہ دردمند وغم گُسار بن کر نہیں، بلکہ ''مہمان'' بن کراور صرف ایک بے روح سماجی رسم کے طور پر۔ایک ہی مقام پر رہتے ہوئے بھی لوگ خیر خواہی اور مزاج پُرسی کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتے۔بہت سے مرداورعورت مرنے والوں کی موت پر صفِ ماتم بچھاتے اوراشک کا دریا بہاتے ہیں،مگر یہی لوگ اپنے عمل سے ثابت کرتے ہیں کہ اُن کے یہ آنسو سچے آنسو نہ تھے۔عملی واقعات بتاتے ہیں کہ یہی لوگ جذبات کے درجے میں بھی اپنے زندہ اور مرحوم اعزہ کے لیے کبھی حقیقی خیرخواہ ثابت نہیں ہوتے۔موت کے اندوہ ناک موقعے پر بھی لوگ مرحوم کے گھر والوں سے ''خاطر داری'' کی توقع لے کر جاتے اور اِس کا تجربہ نہ ہونے پر موت کی یاد کے بجائے شکایت لے کر واپس ہوتے ہیں۔اب اکثر قریبی اعزہ تک قبرستان ہی سے لوٹ جاتے ہیں۔نہ دوبارہ وہ اپنے مرحوم عزیز کے گھر جا کر اُن کی غم گُساری کرتے ہیں اور نہ اُن کے لیے کوئی عملی کنٹری بیوشن۔اِسی قساوت اور بے درد ذہنیت کا یہ نتیجہ ہے کہ بعد کو اکثر لوگ مرحوم کے اہلِ

خانہ کی کوئی خبر نہیں لیتے۔ گویا اِس طرح کے موقعے پر صرف چہرہ دکھا کر اپنا نام درج کرانا اب بیش تر عورتوں اور مردوں کا فیشن بن چکا ہے۔

موت کے دردناک موقعے پر بھی لوگوں کا رویہ اکثر رسمی اور دنیا پرستانہ دکھائی دیتا ہے۔ موت کا واقعہ اُن کی انا اور احساسِ برتری کے جھوٹے مینار کو ڈھا دینے کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ موت کی مجلس میں بھی لوگ کینہ ونفرت لے کر داخل ہوتے ہیں۔ وہ بعض لوگوں کی طرف لپکنے اور بعض کو نظر انداز کرنے کی پست روش سے اوپر نہیں اٹھ پاتے۔ موت کا طوفانی سیلاب بھی اُن کے دلوں کے زنگ اور کدورت کو صاف نہیں کرتا۔ موت کا سنگین واقعہ اُن کے حق میں ایک نئی خدا پرستانہ زندگی کی شروعات کے لیے نقطۂ آغاز نہیں بنتا۔ دلوں کو نرم اور روح کو پگھلا دینے والے اِس خدائی موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے لوگ اپنی زندگی کو بدلنے، خاص طور پر اعزہ واقارب اپنی انا اور کدورت کو ختم کرکے باہم بھائی بھائی بن کر رہنے کے بجائے بدستور وہ اپنے خود تراشیدہ اَہرام میں نخوت ورعونت کی زندہ لاش بنے رہتے ہیں۔

دوسرے کی موت اپنی موت کی یاددہانی کا ذریعہ اور اپنے جیسے ایک انسان کا اچانک اپنے درمیان سے اٹھ جانا اب لوگوں کے لیے موجودہ زندگی کی بے ثباتی کا ریمائنڈر نہیں بنتا۔ دوسرے کی تدفین کو وہ اپنی تدفین سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ وہ اب بھی اپنے آپ کو موت سے زیادہ، زندگی سے قریب محسوس کرتے ہیں۔ قبرستان پہنچ کر بھی وہ اپنی دنیوی سرگرمیوں میں گم دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں بھی لوگوں کو موت کے بجائے موبائل یاد آتا ہے۔ وہ خدا اور اُس کے فرشتوں سے بات کرنے کے بجائے انسانوں سے بات کرنے میں مشغول دکھائی دیتے ہیں۔ قبرستان پہنچ کر بھی اُن کے دل نہیں پگھلتے، وہ رونے سے زیادہ ہنسنے میں حظ محسوس کرتے ہیں۔ بہت سے لوگوں کی بے روح 'مذہبیت' کی دھوم اُس وقت بھی کم نہیں ہوتی، جب کہ یہاں اِس قسم

کی تمام ظاہرداریوں کو ڈھا کر خدا اُن کے لیے خوف وعبرت کا آخری موقع فراہم کردیتا ہے۔ یہاں لوگ ''الحمدللہ'' اور ''ماشاءاللہ'' کی زبان میں پُرفخر طور پر یہ کہتے ہوئے سنائی دیتے ہیں کہ میں نے غسل دیا، میں نے قبر میں اتارا، وغیرہ؛ مگر کوئی شخص موت اورآخرت کی یاد سے لرزتا ہوا دکھائی نہیں دیتا۔ غسل وجنازہ اور قبر ولحد بھی بہت سے 'غیر عالم' مفتیوں کے لیے مقامِ عبرت کے بجائے 'مذہبی' موشگافیوں کا اکھاڑہ ثابت ہوتا ہے۔ ایسے موقعے پر بھی اُن کو موت کے بجائے 'مسلک' دکھائی دیتا ہے۔ وہ دعاے مغفرت کے بجائے ان اعمال کو اختیار کرتے ہیں جن کا حکم نہ اللہ نے دیا اور نہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس طرح وہ اپنے آپ کو فریب دینے کی کامیاب کوشش میں مشغول نظرآتے ہیں۔

کاش، ہم موت کی یاد اور خدا کی کتاب قرآن مجید کی تلاوت وتدبر کے ذریعے سے اپنے دل کے اِس زنگ کو دور کرتے تو ہماری یہ تمام غفلتیں ختم ہوجاتیں، ''لذات'' اور دنیاپرستی کا گنبد ڈھے جاتا اور موت کا تجربہ ہمارے لیے بامقصد اور خداپرستانہ زندگی اختیار کرنے کا ایک عظیم ربانی موقع ثابت ہوتا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کے اس عیب کا ذکر کرے کہ جس کے ذکر کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا خیال ہے کہ اگر واقعی وہ عیب میرے بھائی میں ہو جو میں کہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ عیب اس میں ہے جو تم کہتے ہو تبھی تو وہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ عیب نہ ہو پھر تو تم نے اس پر بہتان لگایا ہے۔ (صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2092)

جاوید چوہدری

ادویات کا راشن کارڈ

کیا آپ ڈاکٹر ہیں میں نے پوچھا وہ چونک کر میری طرف مڑا مجھے غور سے دیکھا اور ہنس کر بولا جی نہیں چودھری صاحب میں نے پوچھا پھر آپ میڈیکل سٹور چلاتے ہوں گے یا گھر میں فری ڈسپنسری بنا رکھی ہو گی یا پھر آپ ادویات سپلائی کرتے ہوں گے اس نے قہقہہ لگایا اور بولا آپ کا یہ اندازہ بھی غلط ہے میں نے حیرت سے کاونٹر پر رکھی ادویات کی طرف دیکھا اور ہنس کر پوچھا کیا یہ تمام ادویات آپ خود کھائیں گے وہ بھی کاونٹر کی طرف مڑ گیا کاونٹر پر ادویات کی پچیس تیس ڈبیاں رکھی تھیں۔ وہ ان ڈبیوں کی طرف دیکھتا رہا اور پھر مسکرا کر بولا چودھری صاحب یہ تمام دوائیں ہمارے گھر کی ضرورت ہیں میری حیرت میں اضافہ ہو گیا ہم میڈیکل سٹور پر کھڑے تھے دکان میں رش تھا درجنوں گاہک تھے اور درجنوں ہی سیلز مین ہر سیلز مین پانچ پانچ دس دس ڈبیاں نکالتا تھا گاہک سے تین چار ہزار روپے لیتا تھا اور اگلا گاہک آگے آ جاتا تھا میں والدہ کی دوائیں لینے سٹور پر گیا تھا میرے آگے وہ کھڑا تھا اور اس کے سامنے ادویات کا انبار لگا تھا میں اتنی دوائیں دیکھ کر حیران رہ گیا میں نے اس سے پوچھا یہ دوائیں کون کون کھائے گا؟ وہ کاونٹر کی طرف مڑا اور ڈبیوں پر ہاتھ رکھ کر بولا یہ ابا جی کی دوائیں ہیں یہ دل کے مریض ہیں یہ امی جی کی ڈبیاں ہیں یہ دل دماغ اور گردوں کے امراض کی شکار ہیں یہ بیوی کی دوائیں ہیں یہ جوڑوں کے درد میں مبتلا ہیں میں بلڈ پریشر کولیسٹرول اور یورک ایسڈ کا مریض ہوں میں یہ دوائیں کھاتا ہوں یہ خالہ اور پھوپھی جی کی دوائیں ہیں اور یہ میرے بیٹے اور بیٹی کی ڈبیاں ہیں یہ الرجی آدھے سر اور جلد کے امراض میں مبتلا ہیں وہ رکا لمبی سانس لی اور بولا میں نے ابھی چاچا چاچی چوکی دار گھر میں کام کرنے والی مائی اور چھوٹے بچے کی دوائیں خریدنی ہیں میں ان کے لیے بھی ہر مہینے

ادویات خریدتا ہوں میں نے پریشان ہوکر پوچھا گھر کے سودے پر زیادہ پیسے خرچ ہوتے ہیں یا ادویات پر وہ رکا ہنسا اور بولا دونوں برابر ہیں مجھے ہر مہینے جتنے پیسے گھر کے سودے کے لیے چاہیے ہوتے ہیں میں اتنی ہی رقم ہر ماہ ادویات پر بھی خرچ کرتا ہوں اور اس رقم میں ہر ماہ اضافہ بھی ہوتا رہتا ہے۔ میں نے پوچھا کیوں وہ بولا تین وجوہات ہیں دوائی کے لیے پہلے ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے ڈاکٹر کی فیس ادا کرنی پڑتی ہے پھر ہر ماہ ادویات کی قیمت بڑھ جاتی ہے اور تیسرا ہر ماہ دواؤں میں اضافہ بھی ہو جاتا ہے چناں چہ میں اگر آج بارہ ہزار کی دوائیں خریدوں گا تو اگلے ماہ یہ چودہ ہزار روپے کی ہو جائیں گی میں نے پوچھا آپ کرتے کیا ہیں؟ وہ بولا چھوٹی سی دکان چلاتا ہوں میرا اگلا سوا تھا کیا آپ اپنی آمدنی میں تمام اخراجات پورے کر لیتے ہیں وہ ہنس کر بولا اللہ کا کرم ہے میرے پاس تین دکانیں ہیں میں نے ان کا کرایہ ادویات اور علاج کے لیے وقف کر رکھا ہے میں نے لمبا سانس لیا اور سیلز مین کے سامنے اپنی چٹ رکھ دی میری فہرست میں بھی چودہ ڈبیاں تھیں۔

آپ اگر پاکستانی ہیں اور آپ کا تعلق مڈل یا لوئر مڈل کلاس کے ساتھ ہے تو آپ کو یاد ہوگا آپ کے والدین جب کام کے بعد شام کے وقت گھر لوٹتے تھے تو ان کے ہاتھوں میں فروٹ مٹھائی اور ڈرائی فروٹ کے لفافے ہوتے تھے میں نے بھی زندگی میں سب سے زیادہ اور سب سے اچھا فروٹ اپنے بچپن میں کھایا تھا میرے والد روز شام کے وقت فروٹ لاتے تھے ہماری پوری گلی میں یہ چلن تھا لوگ شاپنگ بیگز لفافے اور ٹوکریاں لے کر گھر لوٹتے تھے اور بچے دہلیز پر کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرتے تھے لیکن آج کیا ہو رہا ہے؟۔ آج ہر والد ادویات کا لفافہ لے کر گھر لوٹتا ہے آپ کسی دن سروے کر لیں آپ کو زیادہ تر لوگ دفتر فیکٹری یا دکان سے نکل کر سیدھے میڈیکل سٹور جاتے اور شام کو دوائی کی ڈبیاں لے کر گھر آتے دکھائی دیں گے آپ کسی

دن سٹڈی کرا لیں آپ یہ جان کر بھی حیران رہ جائیں گے ہمارے ملک کے زیادہ تر لوگ ادویات کھاتے ہیں میں اگر یہ دعویٰ کروں ہمارے 99 فیصد بالغ لوگ کوئی نہ کوئی گولی کوئی نہ کوئی معجون پھکی یا سیرپ پیتے ہیں تو کیا یہ غلط ہوگا؟ جی نہیں یہ درست ہوگا۔آپ کسی گھر میں چلے جائیں آپ کو وہاں ادویات کا باقاعدہ ریک ملے گا آپ کو ہر گھر کے بجٹ میں ادویات کا کوٹہ بھی ملے گا لوگ اب راشن کے ساتھ ساتھ ادویات کو بھی اپنے بجٹ میں شامل رکھتے ہیں آپ کو ہر شخص کے فون یا ڈائری میں کسی نہ کسی ڈاکٹر کا نمبر اور ایڈریس بھی ملے گا اور آپ کو ہر دوسرا شخص اپنے دوستوں اپنے کولیگز کو یہ کہتا ہوا بھی دکھائی دے گا یار کوئی اچھا سا ڈاکٹر تو بتا دو مجھے جسم کے فلاں حصے میں درد محسوس ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک کی طبی حالت کیا ہے؟ آپ اس کا اندازہ ان حقائق سے لگا لیجیے پاکستان میں پہلے 60 سالوں میں صرف 27 میڈیکل کالج بنے جب کہ اگلے بارہ سالوں میں ان کی تعداد 114 ہو چکی تھی یہ تمام کالج ہر سال 14 ہزار ڈاکٹرز پیدا کرتے ہیں 1990ء میں ملک میں صرف 204 ہسپتال اور ایک ہزار بیسک ہیلتھ یونٹس تھے آج ملک میں ہسپتالوں کی تعداد 1167 اور بیسک ہیلتھ یونٹس ساڑھے پانچ ہزار ہو چکے ہیں پاکستان 2000ء تک ادویات امپورٹ کرنے والا ملک تھا لیکن یہ اب ادویات ایکسپورٹ کرتا ہے۔دنیا میں فارماسوٹیکل انڈسٹری بند ہو رہی ہے جب کہ پاکستان میں یہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہی ہے آپ کو پورے ملک میں کسی میڈیکل سٹور کا مالک غریب نہیں ملے گا یہ ایک دکان سے دوسری اور دوسری سے تیسری دکان کا مالک بنتا دکھائی دے گا کیوں؟ آپ نے کبھی سوچا! سیدھی بات ہے ہم من حیث القوم بیمار ہیں ہمارے اپنے شہر لالہ موسیٰ میں میرے بچپن میں صرف تین میڈیکل سٹورز تھے اور ان پر بھی سارا دن مکھیاں ماری جاتی تھیں۔ میں آج جب شہر جاتا ہوں تو مجھے ہر گلی ہر موڑ پر کوئی نہ کوئی میڈیکل سٹور ملتا ہے آپ کو اپنے شہر میں بھی ہر محلے

میں ڈاکٹر کمپاونڈر یا میڈیکل سٹور ضرور ملے گا میں جب بھی یورپ یا امریکا جاتا ہوں تو مجھے دس دس کلومیٹر بعد فارمیسی کا بورڈ دکھائی دیتا ہے یہ فارمیسیاں بھی دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہیں پہلے حصے میں سکن کیئر دانتوں پاوں بالوں اور ہاتھوں کی مصنوعات ہوتی ہیں آپ یہ تمام مصنوعات ڈاکٹر کے نسخے کے بغیر خرید سکتے ہیں۔ دوسرے حصے میں ادویات ہوتی ہیں مجھے آج تک ادویات کے سیکشن میں ایک وقت میں دو تین سے زیادہ خریدار دکھائی نہیں دیے یورپ میں میڈیکل فری ہے ہسپتال بھی جدید ہیں اور ڈاکٹر بھی بہت پڑھے لکھے اور تجربہ کار ہوتے ہیں مگر آپ کو وہاں بہت کم ڈاکٹر ادویات لکھتے اور دیتے نظر آتے ہیں یہ آپریشن کے لیے بھی مریض کو چھ چھ ماہ انتظار کراتے ہیں آپ کو صرف ایمرجنسی میں رش نظر آتا ہے باقی ہسپتالوں میں روٹین کا کام چلتا ہے اور مریض کو چار چار گھنٹے انتظار کرنا پڑتا ہے۔

سوال یہ ہے یورپ میں ادویات استعمال کیوں نہیں ہوتیں اور ہم راشن کی طرح دوائیں کیوں استعمال کرتے ہیں؟ یہ ایک سنجیدہ ایشو ہے اور ہمیں اب اس کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ہوگا ہمیں ماننا ہوگا ہم ایک بیمار قوم ہیں اور ہم ادویات کے بغیر سروائیو نہیں کر سکتے دوائیں اب ہمارے لیے راشن بن چکی ہیں ہم بیمار قوم کیوں بن چکے ہیں؟ اس کی چار وجوہات ہیں پہلی وجہ ہمارا کھانا اور پینا ہے ہم تیل میں ڈوبی ہوئی خوراک کھاتے ہیں جب کہ ہمارے پانی میں بھی سیوریج اور فیکٹریوں کا ویسٹ شامل ہوتا ہے۔ ہمارے دودھ سبزیوں اور فروٹس میں بھی کیمیکل ہوتے ہیں ہماری مٹھائیوں ٹافیوں جیلیز اور مشروبات میں بھی کپڑے اور چمڑے کے رنگ ہوتے ہیں ہم اپنی ضرورت سے زیادہ کھاتے بھی ہیں آپ لوگوں کو کھاتے دیکھیں تو آپ کو ان پر ترس آ جائے گا دوسرا ہماری زندگی کے صرف دو مقصد ہیں کھانا اور سونا ہم اسے عیاشی سمجھتے ہیں ہم شاید دنیا کا واحد ملک ہیں جہاں پیدائش شادی اور انتقال تینوں حادثوں پر کھانا کھلایا جاتا ہے۔

لوگ باہر سے گھر آ کر سیدھے بستر پر بھی گرتے ہیں یہ کرسیوں اور صوفوں پر بھی سو جاتے ہیں اور یہ دفتروں میں بھی سیدھے نہیں بیٹھتے کرسیوں پر نیم دراز ہو کر کام کرتے ہیں سوم ہم لوگوں میں ورزش کا رجحان نہیں آپ کو پارکوں میں بوڑھوں اور بیماروں کے علاوہ کوئی دکھائی نہیں دے گا پاکستان کے 80 فیصد سکولوں میں گراونڈز اور واش رومز نہیں ہیں ہم بچوں کو فزیکل ٹریننگ نہیں دیتے اور آخری وجہ ملک میں سرکاری واش رومز نہیں ہیں اور اگر ہیں تو وہاں صابن کی سہولت نہیں ہوتی ہمارے دفتروں اور گھروں کے واش رومز میں بھی صابن نہیں ہوتا لہٰذا لوگ ہاتھوں میں جراثیم لے کر پھرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ہاتھ ملانے کی عادت بھی ہے لوگ منہ سے سلام بعد میں کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ پہلے آگے بڑھا دیتے ہیں چناں چہ ہم روزانہ دس بیس لوگوں کو بیمار کر کے گھر جاتے ہیں ہمیں اس صورت حال پر سوچنا ہوگا ہمیں ایک بڑی سوشل چینج کی ضرورت ہے ہم نے اگر یہ نہ کیا تو پھر وہ وقت دور نہیں جب حکومت کو ادویات کا راشن کارڈ بھی جاری کرنا پڑ جائے گا لوگوں کو خوراک کے ساتھ ساتھ دوائیں بھی دی جائیں گی ہمیں یہ بھی ماننا ہوگا ہم سب بیمار ہیں اور بیمار قوموں کو کسی حملے کسی دشمن کی ضرورت نہیں ہوتی یہ اپنی قبر خود کھودتی ہیں اور ہم یہ کھود چکے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے اور نہ کسی کے عیوب کی جستجو کرو اور نہ ایک دوسرے پر حسد کرو اور نہ غیبت کرو اور نہ بغض رکھو اور اللہ کے بندے بھائی بن کر رہو۔

(صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 1002)

ڈاکٹرشہزاد سلیم/محمود مرزا

سکون قلب حاصل کرنے کا تین شاخہ نسخہ

یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ تناؤ اور پریشانیاں زندگی کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ تاہم جو چیزیں اس صورتِ حال کے باوجود ہمیں سکونِ قلب کے حصول میں معاون ثابت ہوسکتی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم کرنے کے علاوہ ایک تین شاخہ نسخہ بھی شامل ہے۔

1۔ نسخہ، شکرگزاری

ہمیں چاہیے کہ ہم مستقل طور پر ان نعمتوں پر نظر رکھیں جو ہمیں میسر ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں جن کا احاطہ کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر ہم ان نعمتوں کی فہرست بنانے کی عادت ڈال لیں تو ان تمام مشکلات سے باآسانی نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے جن کا ہم سامنا کررہے ہیں۔

لیکن اس کے برعکس ہم میں عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ دی گئی نعمتوں کو نظر انداز کر کے مشکلات اور پریشانیوں کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم باقاعدگی سے ہر روز ان نعمتوں کو گننا شروع کردیں جو ہمارے پاس موجود ہیں۔

2۔ نسخہ، مقصد

ہم سب کو چاہیے کہ اپنی زندگی کا ایک مقصد طے کریں۔ کیوں کہ اگر ہماری زندگی کا کوئی مقصد اور نصب العین ہوگا تو پھر ہماری ساری توجہ اپنے دکھ اور پریشانیوں کے بجائے اپنے اہداف کے حصول کی طرف ہوگی۔ اور اس طرح ان پریشانیوں کے بارے میں سوچنے کے لیے ہمارے پاس زیادہ وقت ہی نہیں بچے گا۔

جو شخص اپنے مقصد کے حصول کے لیے جدو جہد کرتا ہے اور اسی میں مشغول رہتا ہے، مسائل اور پریشانیاں اس پر شاذ ہی اثر انداز ہوتی ہیں۔

3۔دوسروں کی مدد کا نسخہ

اس حقیقت سے ہم سب آگاہ ہیں کہ دوسروں کے دکھ درد بانٹنے سے ہمارے اپنے دکھوں میں کمی واقع ہوتی ہے اور ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ بہت سے معاملات میں ہم دوسرے لوگوں سے کئی گنا بہتر ہیں۔

یہی احساس ہمارے اندر اپنے رب کی شکر گزاری اور ذہنی سکون پیدا کرتا ہے۔تو کیوں نہ ہم سب مل کر گرد و پیش میں موجود لوگوں کے دکھ بانٹیں، ان کی مدد کو پہنچیں، ان کو رنج و الم کی کیفیت سے باہر نکالیں اور جس حد تک ممکن ہو ان کے دکھوں اور پریشانیوں سے نجات دلانے میں ان کی مدد کریں۔

یہی وہ تین شاخہ نسخہ ہے جس کے ذریعے سے ہم سکونِ قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تم لوگ ایک دوسرے پر حسد نہ کرو اور نہ ہی تناجش کرو (نیلامی پر مصنوعی بولی دینا تا کہ دوسرے زیادہ قیمت پر چیز خریدلیں) اور نہ ہی ایک دوسرے سے بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے روگردانی کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی بیع پر بیع نہ کرے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔وہ نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ ہی اسے حقیر سمجھتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا تقویٰ یہاں ہے کسی آدمی کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر پورا پورا احرام ہے اس کا خون اور اس کا مال اور اس کی عزت و آبرو۔(صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2044)

فاطمہ ہاشم قریشی

حالات حاضرہ اور عام انسان

حالات حاضرہ سے باخبر ہونے کے لیے ٹی وی کا کوئی بھی چینل کھولیں تو ہر طرف منفی خبریں سننے کو ملتی ہیں۔ایک طرف تو انسانوں کی دوسرے انسانوں پر زیادتی کی خبریں ہیں تو دوسری طرف قدرتی آفات کی خبریں۔ایک درددل اور احساسات رکھنے والے عام انسان کے لیے ان خبروں میں خوف، تکلیف، پریشانی اور مایوسی کے سوا کچھ نہیں۔سوال یہ ہے کہ جب ہر جانب سے ہی مایوسی کی خبریں مل رہی ہوں تو ایسے میں ایک عام انسان کو کیا کرنا چاہیے؟ بلکہ اگر ایک اور زاویے سے یہی سوال دہرائیں تو ایک بندہ مومن کو دکھ، درد، غم و غصے، مایوسی اور بے بسی کے حالات میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟

جب ہم اپنے مالک وخالق حقیقی کی کتاب سے رہنمائی لیں اور تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہی ایسا ہوتا آرہا ہے۔وقت اور حالات کے اتار چڑھاؤ کا نام ہی زندگی ہے اور امتحانات اور آزمائش کے اصول پر ہی یہ دنیا اور اس کا نظام چل رہا ہے۔ حالات وواقعات کبھی بھی یکساں نہیں رہتے۔انسان روز ازل سے ہی اپنے نفس کی سرکشی اور اپنے ازلی دشمن شیطان کی سرکشی کے باعث پریشانیوں اور مصائب کا شکار ہے۔عام انسان تو ایک طرف نفرتیں، عداوتیں، دشمنیاں اور مشکل حالات تو اللہ تعالیٰ کے خاص بھیجے گئے انبیاء اور پیغمبروں (علیھم السلام) نے بھی جھیلیں۔اس کے باوجود ان کے حوصلے پست نہ ہوئے اور وہ انتہائی جاں فشانی سے اپنا کام مکمل کرتے رہے۔غور طلب بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا، اس وقت بھی اس وقت کی عالمی قوتوں یعنی رومیوں اور ایران میں جنگ جاری تھی۔اللہ تعالیٰ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا مطالعہ کر کے ہمیں سبق ملتا ہے کہ گردوپیش کی دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ

وسلم نے اپنی ساری توجہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے پر مرکوز رکھی۔ رومیوں اور ایران کی جنگ نے ان کی توجہ ان کے مشن سے بالکل نہ ہٹائی۔ نبی آخرزماں اللہ تعالی کے وہ خاص الخاص رسول اور پیغمبر ہیں جن پر نبوت، رسالت اور وحی سب ہی اختتام پذیر ہوا اور ان کی دعوت کی داستان آنے والی نسلوں کی رہنمائی کے لئے روز قیامت تک قرآن پاک میں محفوظ کر دی گئی۔ پروردگار نے ان کو خاص مقصد کے لیے مبعوث کیا تھا یعنی انسانیت کو ان کے خالق کا بھرپور تعارف کرانا اور ان کے دلوں میں ایمان کی شمع روشن کرنا۔ پھر ایمان کی مضبوط طاقت کے زیر اثر ایسی شخصیات کی تربیت کرنا جو اعلیٰ اخلاق کا چلتا پھرتا نمونہ ہوں اور جو تمام انسانیت تک ان کے رب کا پیغام پہنچائیں۔ یہ ہی ان کی ذمہ داری اور ان کے اس مشن کا خلاصہ ہے جس کا آغاز 1400 سال پہلے اللہ کے حکم سے ہوا اور جسے تا قیامت جاری رہنا ہے۔

آج کے مسلمان، مومنین اور عام انسانوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں یہی سبق ہے کہ ہمیں بھی آج کی خبر کو خود پر سوار نہیں کرنا اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اپناتے ہوئے ان کے ہی نقش قدم پر چلنا ہے۔ منفی خبروں سے پریشان ہونے کے بجائے پوری یکسوئی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو لے کر آگے بڑھنا ہے۔ ہمیں چوکنا رہنا ہے کہ دنیا میں ہونے والے حالات و واقعات کی تبدیلی ہماری توجہ اصل کام سے نہ ہٹا دے۔ حالات و واقعات سے پریشان ہونے کے بجائے اگر ہم مثبت سوچ اپنائیں گے تو معاشرے کی زیادتیوں اور قدرتی آفات کی خبروں میں بھی ہمیں رب کی نشانیاں، رحمتیں اور اپنے لئے یاد دہانیاں نظر آئیں گی۔ ہمیں شکر کی کیفیت میں مبتلا کریں گی کہ ہمیں اب تک مہلت ملی ہوئی ہے مہلت بھی اس اہم مقصد کے لیے کہ ہم کار نبوت میں اپنا حصہ ڈالتے رہیں اور قرآن کی آیت 61:14 ''اے ایمان لانے والو دین خدا کے مدد گار ہو'' پر لبیک کہہ سکیں۔ ہمارے کرنے کا کام یہ ہے کہ ہم نے انسانیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ دکھا کر ہار سے بچانے کی

کوشش کرنی ہے۔ کہیں دوملکوں کی لڑائی کی خبر ہو تو خود کو یاد دہانی کرانی ہے کہ

نفرت اور لڑائی میں کچھ بھی نہ ہے رکھا

جنگ سے بھی اہم کام اب ذمہ داری ہیں ہماری

لوگوں کو دست و گریباں ہوتے دیکھ کر یاد کرنا اور کرانا ہے کہ ہابیل اور قابیل کی لڑائی میں جیت تو بس شیطان کی ہوئی تھی۔ اور شیطان ہی ہمارا ازلی دشمن ہے۔ انسانیت کی بھلائی میں سرگرداں ہونے کی کوشش کے نتیجے میں یہ ممکن ہوگا کہ روز قیامت ہمیں مجرموں کی طرح حسرت و یاس کی تصویر بنے یہ نہ کہنا پڑے گا سورت الفرقان آیت 27 ''کاش میں نے رسول کا ساتھ دیا ہوتا۔''

ہم نے عام انسان ہوتے ہوئے خاص کاموں میں اپنی توانائیاں اور قوتیں صرف کرنی ہیں۔ اسی صورت میں دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی ہمارے قدم چومے گی اور ہم عام انسان ہونے کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کا حق ادا کر پائیں گے۔

عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو جنگ بدر میں شریک تھے اور شب عقبہ میں ایک نقیب تھے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فرمایا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گرد صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی، کہ تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری نہ کرنا اور زنا نہ کرنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ ایسا بہتان (کسی پر) باندھنا جس کو تم (دیدہ و دانستہ) بناؤ اور کسی اچھی بات میں اللہ اور رسول کی نافرمانی نہ کرنا پس جو کوئی تم میں سے (اس عہد کو) پورا کرے گا، تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے اور جو کوئی ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور دنیا میں اس کی سزا اسے مل جائے گی تو یہ سزا اس کا کفارہ ہو جائے گی اور جو ان (بری) باتوں میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے گا اور اللہ اس کو دنیا میں پوشیدہ رکھے گا تو وہ اللہ کے حوالے ہے، اگر چاہے تو اس سے درگذر کر دے اور چاہے تو اسے عذاب دے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ سب لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شرط پر (بیعت کر لی)۔ (صحیح بخاری: جلد اول: حدیث نمبر 17)

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (68)

اخلاقی طور پر مطلوب وغیر مطلوب رویے: معروف ومنکر

مخلوق کے حوالے سے بیان کردہ مطلوب اور غیر مطلوب اخلاقی رویوں میں ہم ان جامع اصولوں پر بات کررہے ہیں جن کی نوعیت، مفہوم اور اطلاقات بہت ہمہ گیر ہیں۔ اس حوالے سے ظلم وعدل کا جائزہ لیا جا چکا ہے اور اب قرآن مجید کی ایک اور بہت اہم اصطلاح جو دراصل ایک بہت جامع اصول ہے یعنی معروف ومنکر پر گفتگو کی جائے گی۔

معروف ومنکر کا مفہوم

لفظ منکر اخلاقی حوالے سے قرآن مجید کی ایک بنیادی اصطلاح ہے۔ یہ ان رویوں کو بیان کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے جن کی برائی تمام لوگوں کے نزدیک مسلمہ ہوتی ہے اور جو شرفا وصالحین کے دستورِ حیات میں بالکل اجنبی نوعیت کی چیز ہوتی ہے۔ جھوٹ، دھوکا، فریب، ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، حسد، تکبر، شیخی خورہ پن، بخل، بدگوئی وغیرہ جیسی وہ تمام صفات جن کی برائی کو عام لوگ بلا دلیل و بحث سمجھتے اور مانتے ہیں اور شرفا وصالحین کی زندگیاں ان رویوں سے عام طور پر خالی ہوتی ہیں، ان پر منکر کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اصولی گناہوں کی فہرست میں ایک جگہ (النحل 16 : 90) میں منکر کا لفظ استعمال کیا ہے اور دوسرے مقام (اعراف 7:33) میں اس کی جگہ ''اثم'' کا لفظ لا کر اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ یہ وہ گناہ ہیں جن میں دوسروں کی حق تلفی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے جو لفظ اثم کا لغوی مفہوم ہے۔ عام طور پر فواحش اور ظلم وبغی کی نوعیت کے گناہ منکر سے الگ سمجھے جاتے ہیں۔ تاہم قرآن مجید نے ایک مقام

العنکبوت 29:29 پر اس حقیقت کو واضح کیا ہے فواحش کا ارتکاب علانیہ کرنا ان کو فحش ہونے کے ساتھ منکر بھی بنا دیتا ہے۔

معروف اسی منکر کا متضاد ہے اور ان اخلاقی خوبیوں کو بیان کرتا ہے جن کی بھلائی ایک مسلمہ حقیقت ہوتی ہے اور جو شرفا و صالحین کی عمومی روایت کا حصہ ہوتی ہیں۔ یہ وہ اعلیٰ اخلاقی رویے ہوتے ہیں جن کے خیر ہونے پر کوئی دو رائے نہیں ہوتیں۔ یہ رویے چاہے عملی نوعیت کے ہوں یا گفتگو سے ان کا اظہار کیا جائے۔ یہی معاملہ منکرات کا ہے کہ وہ فعل کے ساتھ قول کا احاطہ بھی کرتا ہے۔ تاہم منکر کے برعکس معروف کا لفظ قرآن مجید میں مسلمہ اخلاقی بھلائیوں کے علاوہ دستور اور رسم و رواج کے طریقوں کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ مگر لفظ کا یہ استعمال زیادہ تر قانونی حقوق، ذمہ داریوں اور مالی ادائیگیوں کے پس منظر میں استعمال کیا گیا ہے۔

امر و نہی کا مفہوم اور دائرہ کار

قرآن مجید میں معروف و منکر کے ساتھ امر و نہی کے الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ یعنی امر بالمعروف و نہی عن المنکر قرآن مجید میں اہل ایمان کے ایک مستقل وصف کے طور پر بیان ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان صرف اپنی ذات کی اصلاح تک محدود نہیں رہتے اور نہ معاشرے کے خیر و شر سے بے نیاز ہو کر زندگی گزارتے ہیں بلکہ دوسروں کو ان مسلمہ اخلاقی بھلائیوں کو اختیار کرنے اور مسلمہ اخلاقی برائیوں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اسی بات کو سورۃ العصر میں ''تواصوا بالحق'' یعنی حق کی تلقین کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ عربی زبان میں امر کا لفظ عام طور پر حکم دینے اور نہی کا لفظ روک دینے کے مفہوم میں آتا ہے، اس سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ اہل ایمان جہاں کہیں کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھیں اسے پوری طاقت سے

روک دیں یا روکنے کی کوشش کریں اور اسی طرح بھلائی کو بالجبر نافذ کر دیں۔ یہ بات درست نہیں ہے۔قرآن مجید نے بعض مقامات پر ان الفاظ کو اس طرح استعمال کیا ہے کہ قرآن کا اصل مدعا بالکل واضح ہوگیا کہ عمومی طور پر قرآن مجید کی مراد اس حکم سے نیکی کی تلقین اور برائی سے متنبہ کرنے کا عمل ہے نہ کہ کسی قسم کا جبر اور زبردستی جو دین کے اس مرکزی تصور کے خلاف ہے کہ اس دنیا میں انسان کا امتحان ہی یہی ہے کہ اپنی مرضی سے نیکی کرے اور اپنی خوشی سے برائی سے بچے۔جنت اسی اختیاری نیکی وبدی کا بدلہ ہے۔ قرآن مجید میں نماز کے ساتھ نھی (العنکبوت45:29) اور شیطان کے ساتھ امر (النور21:24) کے الفاظ بطور فاعل اور فحش اور منکر کو بطور مفعول استعمال کر کے یہ واضح کر دیا کہ یہ الفاظ تلقین کے مفہوم میں استعمال کیے گئے ہیں کیونکہ نہ شیطان کسی سے جبراً برائی کرا سکتا ہے اور نہ نماز کسی کو برائی سے عملاً روک سکتی ہے۔

ان الفاظ میں جبر کا مفہوم تب ہی داخل ہوگا جب کسی ایسے شخص کو حکم دیا جا رہا ہو جس کا کام ہی برائی کو قوت نافذہ سے روکنا ہو اور برائی کا ارتکاب اس کے دائرہ اقتدار اور دائرہ اختیار میں کیا جا رہا ہے۔ جیسے صحابہ کرام کے بارے میں جب یہ بیان کیا گیا کہ ان کو زمین میں اگر اقتدار دیا گیا تو یہ نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے (الحج41:22) تو ایسی صورت میں بالکل واضح ہے کہ اقتدار کے ساتھ تلقین کے علاوہ جہاں موقع ہو ان کو اپنا اختیار بھی استعمال کرنا ہوگا۔ چنانچہ اپنے دائرہ اقتدار اور دائرہ اختیار میں ہر صاحب اقتدار اور صاحب اختیار کے لیے ضروری ہے کہ وہ تلقین کے ساتھ عملی اقدامات بھی اٹھائے۔مگر مطلقاً یہ مفہوم مراد لینا درست نہیں ہے۔عام لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ سامنے نظر آنے والی ہر برائی کو زبردستی روکنا شروع کر دیں۔ یہ رویہ نہ صرف دین کی بنیادی فکر کے خلاف ہے بلکہ عملی طور پر اصلاح کے بجائے فساد پیدا کرنے کا سبب بنے گا جو ظاہر ہے قرآن کے پیش نظر نہیں۔

قرآنی بیانات

’’(اِس کے برخلاف) اللہ اُن کو جو پوری سچائی کے ساتھ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ بے شک، اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔‘‘ (الحج 22:14)

’’(اپنے والدین) کے ساتھ نیک برتاؤ رکھنا...... نماز کا اہتمام رکھو، بھلائی کی تلقین کرو اور برائی سے روکو۔‘‘ (لقمان 31:17-15)

’’بے شک، اللہ (اِس میں) عدل اور احسان اور قرابت مندوں کو دیتے رہنے کی ہدایت کرتا ہے اور بے حیائی، برائی اور سرکشی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاددہانی حاصل کرو۔‘‘ (النحل 16:90)

’’ایمان والو، شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو اور (یاد رکھو کہ) جو شیطان کے نقش قدم پر چلے گا، وہ اپنے ہی کو برباد کرے گا، اِس لیے کہ وہ تو بے حیائی اور برائی ہی کا راستہ سجھاتا ہے۔‘‘ (النور 24:21)

’’کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور فطرت کی راہ مارتے ہو اور اپنی مجلسوں میں (علانیہ) اِس برائی کا ارتکاب کرتے ہو؟ اِس پر اُس کی قوم کا جواب اِس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اُنھوں نے کہا: اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔‘‘ (العنکبوت 29:29)

’’کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔ (یہ اللہ کی یاد ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی یاد بڑی چیز ہے۔‘‘ (العنکبوت 29:45)

’’(اُن لوگوں کے حق میں) جو (آج) اِس نبی امی رسول کی پیروی کریں گے جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا دیکھتے ہیں۔ وہ اُنھیں بھلائی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے‘‘ (اعراف 7:157)

’’درگذر کرو، (اے پیغمبر)، نیکی کی تلقین کرتے رہو اور اِن جاہلوں سے اعراض کرو۔‘‘ (اعراف 7:199)

’’ان عورتوں کے لیے بھی اسی طرح حقوق ہیں، جس طرح دستور کے مطابق (ان پر) شوہروں کے حقوق ہیں‘‘ (البقرہ 2: 228)

''اور چاہیے کہ تمھارے اندر سے کچھ لوگ مقرر ہوں جو نیکی کی دعوت دیں، بھلائی کی تلقین کریں اور برائی سے روکتے رہیں۔ (تم یہ اہتمام کرو) اور (یاد رکھو کہ) جو یہ کریں گے، وہی فلاح پائیں گے۔''، (آل عمران 3: 104)

''(ایمان والو، اِس وقت تو اللہ کی عنایت سے) تم ایک بہترین جماعت ہو جو لوگوں پر حق کی شہادت کے لیے برپا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر سچا ایمان رکھتے ہو۔''، (آل عمران 3: 110)

''اللہ پر اور قیامت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں، نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، بھلائی کے کاموں میں سبقت کرتے ہیں اور وہ خدا کے نیک بندوں میں سے ہیں۔''، (آل عمران 3:114)

''لیکن تقسیم کے موقع پر جب قریبی اعزہ اور یتیم اور مسکین وہاں آ جائیں تو اُس میں سے اُن کو بھی کچھ دے دو اور اُن سے بھلائی کی بات کرو۔''، (النساء 4: 8)

''ایمان والو، تمھارے لیے جائز نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ (نکاح کر لینے کے بعد) جو کچھ تم نے اُن کو دیا ہے، اُس کا کچھ حصہ واپس لینے کے لیے اُنھیں تنگ کرو۔ ہاں، اِس صورت میں کہ وہ کسی کھلی ہوئی بدکاری کا ارتکاب کریں۔ اور اُن سے اچھا برتاؤ کرو۔''، (النساء 4:19)

''اِن کی زیادہ تر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں، اُن لوگوں کی سرگوشی میں یقیناً بھلائی ہے جو صدقہ وخیرات کی تلقین کریں یا نیکی کی راہ سجھائیں یا لوگوں کے معاملات کی اصلاح کے لیے کہیں۔ اور جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کریں گے، اُنھیں عنقریب ہم اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔''، (النساء 4:114)

''منافق مرد اور منافق عورتیں، سب ایک ہی طرح کے لوگ ہیں۔ یہ برائی کی تلقین کرتے، بھلائی سے روکتے اور اپنے ہاتھ (ہر خیر کے لیے) بند رکھتے ہیں۔ یہ اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے بھی اِنھیں بھلا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی منافق ہیں جو بڑے بدعہد ہیں۔''، (التوبہ 9: 67)

''مومن مرد اور مومن عورتیں، وہ بھی ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ (اِن منافقوں کے برخلاف) وہ بھلائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ

دیتے ہیں اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ عنقریب اپنی رحمت سے نوازے گا۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ زبردست ہے، وہ بڑی حکمت والا ہے۔''، (التوبہ 71:9)

''وہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں، شکر کرنے والے ہیں، (خدا کی راہ میں) سیاحت کرنے والے ہیں، (اُس کے آگے) رکوع اور سجدہ کرنے والے ہیں، بھلائی کی تلقین کرنے والے ہیں، برائی سے روکنے والے ہیں اور حدود الٰہی کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ وہی سچے مومن ہیں، (اے پیغمبر)، اور اِن مومنوں کو خوش خبری دے دو۔''، (التوبہ 112:9)

''اِن کے لیے صحیح رویہ تھا کہ حکم ماننا ہے اور بھلی بات کہنی ہے۔ پھر جب معاملے کا قطعی فیصلہ ہو جائے تو اُس وقت اگر یہ اللہ سے سچے ثابت ہوتے تو اِن کے لیے بہت بہتر ہوتا۔''، (محمد 21:47)

''اِسی طرح، اے پیغمبر، جب مسلمان عورتیں بیعت کے لیے تمھارے پاس آئیں (اور عہد کریں) کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی اور چوری نہ کریں گی اور زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھ اور پاؤں کے درمیان کوئی بہتان گھڑ کر نہ لائیں گی اور بھلائی کے کسی معاملے میں تمھاری نافرمانی نہ کریں گی تو اُن سے بیعت لے لو اور اُن کے لیے اللہ سے مغفرت کی دعا کرو۔ بے شک، اللہ غفور و رحیم ہے۔''، (الممتحنہ 12:60)

حضرت لقمان بن شبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے، محبت کرنے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسم انسانی کی طرح دیکھو گے کہ جب اس کے کسی عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے باقی سارے اعضاء بھی بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔ (بخاری، مسلم)

پروین سلطانہ حناؔ

مالکِ ذوالجلال دیتا ہے
نعمتیں بے مثال دیتا ہے

جس پہ کرتا ہے خاص نظر کرم
ظرف بھی با کمال دیتا ہے

اس کی رحمت نہیں تو پھر کیا ہے
مشکلوں سے نکال دیتا ہے

اور دریا میں ڈوب جاؤں تو
پانیوں سے اچھال دیتا ہے

ناگہاں آفتیں جو آئیں تو
اپنی رحمت سے ٹال دیتا ہے

گرم موسم سے جسم و جاں جو جلے
سرد موسم کی شال دیتا ہے

اس کی قدرت کہ زرد مٹّی کو
رنگ و خوشبو میں ڈھال دیتا ہے

جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے
اور جسے چاہے مال دیتا ہے

دِل پشیماں ہو گر خطاؤں پر
زنگ سارے اُجال دیتا ہے

خیر و شر کا شعور دے کے حناؔ
مجھ کو خوفِ مآل دیتا ہے

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

فون: 0332-3051201, 0345-8206011

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوائیے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروی ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جاسکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0334-3799503 , 0345-8206011, 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوائیے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

MAR 2020
Vol. 08, No. 03
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi